لِّيُخرِجَ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

القران الحکیم ۶۵:۱۲

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، ادبی، تعلیمی اور تربیتی مجلّہ

النور

شہادت ۱۳۹۱ ہش
اپریل ۲۰۱۲ء

سیرت النّبیﷺ نمبر
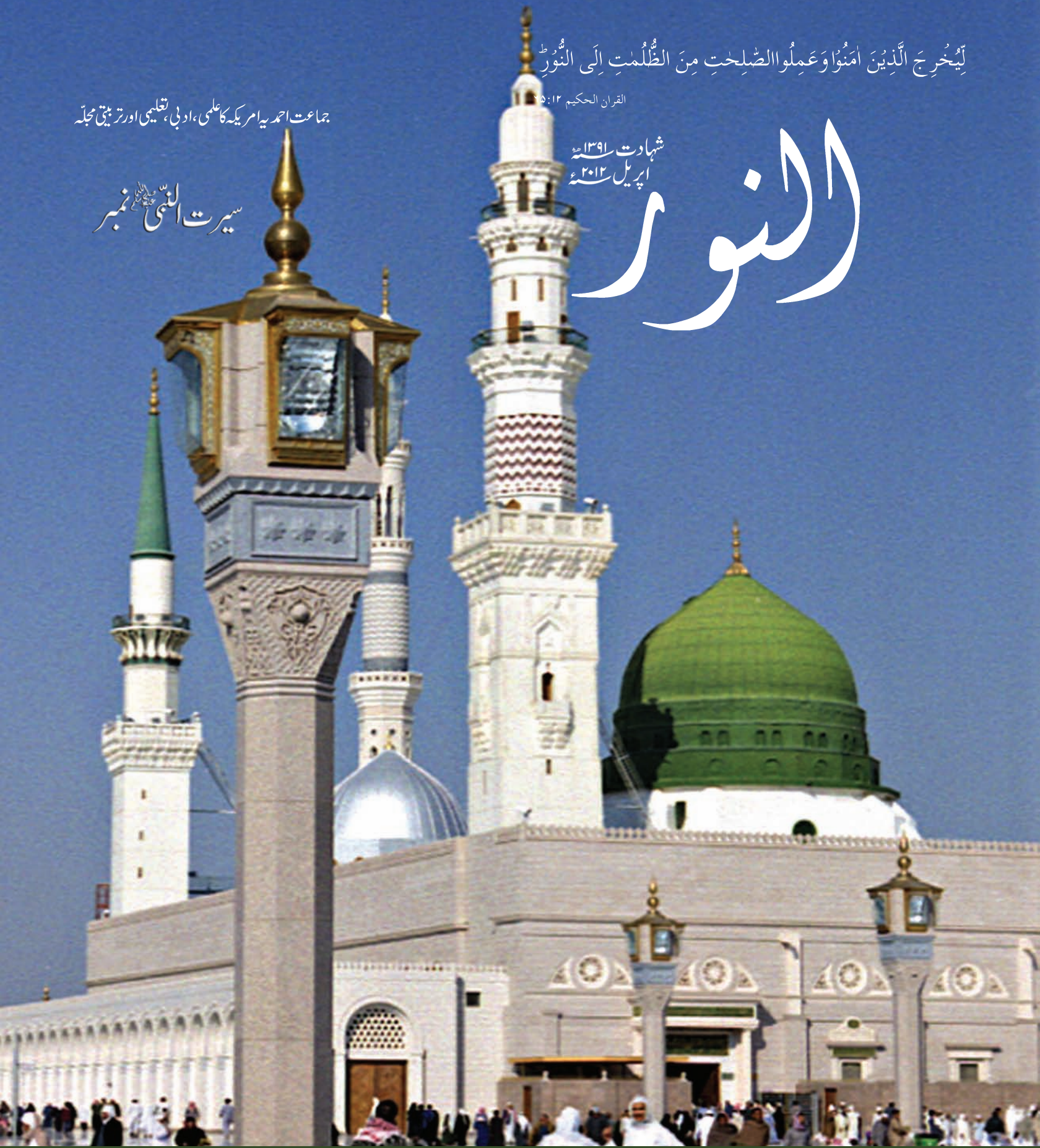
Muslims who believe in the Messiah,
Mirza Ghulam Ahmad Qadiani[as]

Detroit Jam'at Flyer Distribution Activities
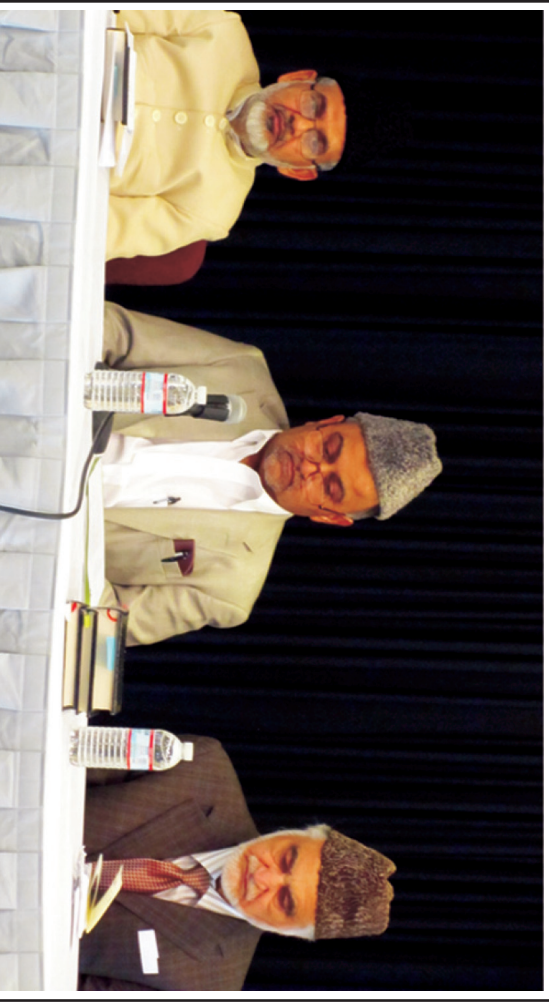
Musleh Mau'ood Day Activities in Baitul Hameed Mosque, Chino, CA

اپریل 2012

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، تعلیمی، تربیّتی اور ادبی مجلّہ

فہرس

وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝

(بنی اسرائیل : 112)

اور بڑے زور سے اس کی بڑائی بیان کرو۔

{700 احکامِ خُداوندی صفحہ 65}

نگران:	ڈاکٹر احسان اللہ ظفر امیر جماعت احمدیہ، یو۔ایس۔اے
مدیر اعلیٰ:	ڈاکٹر نصیر احمد
مدیر:	ڈاکٹر کریم اللہ زیروی
ادارتی مشیر:	محمد ظفر اللہ ہنجرا
معاون:	حسنیٰ مقبول احمد
لکھنے کا پتہ:	karimzirvi@yahoo.com OR Editor Ahmadiyya Gazette 15000 Good Hope Road Silver Spring, MD 20905

قرآن کریم

مَایَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَلَا الۡمُشۡرِکِیۡنَ اَنۡ یُّنَزَّلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ یَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ○

(البقرة:106)

اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ ہرگز پسند نہیں کرتے کہ تم پر تمہارے ربّ کی طرف سے کوئی خیر اُتاری جائے حالانکہ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔

تفسیر بیان فرمودہ حضرت حاجی الحرمین مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ:

''اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا: یہ کافر دو قسم کے ہیں اہلِ کتاب (یہود، نصاریٰ، مجوس) دوسرے وہ جن کے پاس کوئی کتاب نہیں۔ سُنی سنائی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ غرض یہ دونوں گروہ پسند نہیں کرتے کہ تم پر کوئی ایسا امر اُتارا جائے جو خیر و برکت کا موجب ہو مگر اللہ تعالیٰ خصوصیت دے دیتا ہے اپنی رحمت سے جسے چاہے۔ مکہ والوں نے کہا کہ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡیَتَیۡنِ عَظِیۡمٍ (الزخرف:32) مگر ان کا یہ اعتراض فضول تھا کیونکہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ واقعی یہی مبارک وجود (حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس رسالت کا مستحق تھا۔ میرا اعتقاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم انسانیت ہیں۔ نہ ایسا کوئی عظیم الشان ہوا اور نہ ہوگا۔ ایک شخص نے مجھے پوچھا کہ اس کی کیا دلیل ہے؟ میں نے کہا کہ تم کسی اصلِ مذہبی کے قائل ہو یا نہیں۔ کہا۔ دعا کا قائل ہوں۔ میں نے کہا۔ دیکھو تم مانتے ہو کہ تمام مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ اور زمین گول ہے۔ پس رُوئے زمین پر کوئی ایسا وقت نہیں گزرتا جب کوئی مسلمان نماز نہ پڑھ رہا ہو اور نماز میں درود شریف نہ پڑھتا ہو۔ پھر میں پوچھتا ہوں کیا دُنیا میں کوئی ایسا پیشوا ہے جس کے مرید ہر وقت اس کے علوِ مدارج کے لئے دعا کر رہے ہوں اور پھر اَلدَّالُ عَلَی الۡخَیۡرِ کَفَاعِلِہٖ کے مطابق وہ تمام نیکیاں جو یہ لوگ (مسلمان) کرتے ہیں حضور کے نامہء اعمال میں بھی لکھی جاتی ہوں گی یا نہیں۔ پھر فضائلِ نبویؐ میں دوسری بات مجھے سوجھی ہے کہ دُنیا میں جس قدر مرکز ہدایت کے ہیں وہ دراصل صرف دو ہیں ایک آتشکدۂ آذر اور دوّم بیت المقدس۔ ان دونوں کا اثر عرب پر بالکل نہیں پڑا مگر ہمارے سردارؐ نے عرب والوں کو اپنا دین منوالیا اور پھر ان کے ذریعہ ان دونوں مرکزوں (بیت المقدس، آتشکدہ آذری) پر بھی فتح پائی۔۔''

(حقائق الفرقان جلد اوّل صفحہ 215,214)

☼☼☼☼☼☼☼☼☼☼☼☼☼☼

احادیثِ مبارکہ

عَنِ الزُّهْرِيِّ سَمِعَ مُحَمَّدَ بْنَ جُبَيْرِبْنِ مُطْعِمٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَّ اَنَا الْمَاحِي الَّذِیْ يُمْحٰی بِیَ الْكُفْرُ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی عَقِبِیْ وَاَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَيْسَ بَعْدَهٗ نَبِيٌّ۔

(مسلم کتاب الفضائل باب فی اسمائه صلی اللّٰه علیه وسلم)

حضرت جبیر بن مطعمؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں محمدؐ ہوں، میں احمدؐ ہوں، میں مٹانے والا ہوں میرے ذریعہ کفر کا قلع قمع ہوگا۔ میں حاشر ہوں میری پیروی میں لوگوں کا حشر ہوگا اور میں آخر میں آنے والا ہوں میرے بعد کوئی (مستقل) نبی نہیں ہوگا۔

✲✲✲✲✲✲

عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلِیْ وَمَثَلُكُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اَوْقَدَ نَارًا، فَجَعَلَ الْجَنَادِبُ وَالْفَرَاشُ يَقَعْنَ فِيْهَا وَهُوَ يَذُبُّهُنَّ عَنْهَا وَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَاَنْتُمْ تَفَلَّتُوْنَ مِنْ يَدِیْ۔

(مسند احمد صفحه 290/2مصری)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میری اور تمہاری مثال اس آدمی کی سی ہے جس نے آگ جلائی تو بھنورے اور پروانے اس میں گرنے لگے وہ آدمی ان پروانوں کو آگ سے ہٹانے لگ گیا تا کہ وہ آگ میں جل نہ مریں۔ ایسا ہی دوزخ کی آگ سے بچانے کیلئے میں تم کو پیچھے سے پکڑتا ہوں اور تم میرے ہاتھوں سے نکل نکل جاتے ہو۔

✲✲✲✲✲✲

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ قُرَادٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ يَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُهٗ يَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهٖ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَايَحْمِلُكُمْ عَلٰی هٰذَا قَالُوْا: حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّحِبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اَوْ يُحِبَّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَلْيَصْدُقْ حَدِيْثَهٗ اِذَا حَدَّثَ وَلْيُؤَدِّ اَمَانَتَهٗ اِذَا ائْتُمِنَ وَلْيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهٗ۔

(ابن ماجه باب الزهد فی الدنیا)

حضرت عبدالرحمن بن ابی قرادؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک روز وضو کر رہے تھے کہ آپؐ کے صحابہ وضو والا پانی اپنے ہاتھوں اور چہروں پر ملنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضور علیہ السلام نے فرمایا ایسا تم کس سبب سے کر رہے ہو؟ صحابہ کرام نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کی وجہ سے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ سے واقعی محبت کرتے ہو اور چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کا رسولؐ بھی تم سے محبت کرے تو اس کے لئے تمہیں یہ کرنا چاہیئے کہ ہمیشہ سچ بولو، جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں کبھی خیانت نہ کرو اور اپنے پڑوسی سے ہمیشہ حسن سلوک کرو۔

✲✲✲✲✲✲

منظوم کلام امام الزمان

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

ربط ہے جانِ محمدؐ سے میری جاں کو مدام — دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے
اُس سے بہتر نظر آیا نہ کوئی عالم میں — لاجَرَم غیروں سے دل اپنا چھڑایا ہم نے
مَوردِقہر ہوئے آنکھ میں اَغیار کے ہم — جب سے عشق اس کا تہ دل میں بٹھایا ہم نے
زُعم میں اُن کے مسیحائی کا دعویٰ میرا — افترا ہے جسے از خود ہی بنایا ہم نے
کافر و مُلحِد و دجّال ہمیں کہتے ہیں! — نام کیا کیا غمِ ملّت میں رکھایا ہم نے
گالیاں سُن کے دُعا دیتا ہوں اِن لوگوں کو — رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے
تیرے مُنہ کی ہی قسم میرے پیارے احمدؐ — تیری خاطر سے یہ سب بار اُٹھایا ہم نے
تیری اُلفت سے ہے معمور میرا ہر ذرّہ — اپنے سینہ میں یہ اِک شہر بسایا ہم نے
صفِ دشمن کو کیا ہم نے بحُجّت پامال — سیف کا کام قلم سے ہی دکھایا ہم نے
نُور دکھلا کے تِرا سب کو کیا ملزم و خوار — سب کا دل آتشِ سوزاں میں جلایا ہم نے
نقشِ ہستی تیری اُلفت سے مٹایا ہم نے — اپنا ہر ذرّہ تِری رہ میں اُڑایا ہم نے
تیرا مَے خانہ جو اِک مرجعِ عالم دیکھا — خُم کا خُم مُنہ سے بصد حرص لگایا ہم نے
شانِ حق تیرے شمائل میں نظر آتی ہے — تیرے پانے سے ہی اُس ذات کو پایا ہم نے

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

آپؑ فرماتے ھیں:

’’اب اسم احمد کا نمونہ ظاہر کرنے کا وقت ہے۔ یعنی جمالی طور کی خدمات کے ایام ہیں۔ اور اخلاقی کمالات کے ظاہر کرنے کا زمانہ ہے۔ ہمارے آنحضرت ﷺ مثیل موسیٰ بھی تھے۔ مثیل عیسیٰ بھی۔ موسیٰ جلالی رنگ میں آیا تھا...... مگر عیسیٰ جمالی رنگ میں آیا تھا۔ اور فروتنی اس پر غالب تھی۔ سو ہمارے نبی ﷺ نے اپنی مکی اور مدنی زندگی میں یہ دونوں نمونے جلال اور جمال کے ظاہر کر دئے اور پھر چاہا کہ آپ کے بعد آپ کی فیض یافتہ جماعت بھی جو آپ کے روحانی وارث ہیں انہی دونوں نمونوں کو ظاہر کرے۔ سو آپ نے محمدی یعنی جلالی نمونہ دکھلانے کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مقرر فرمایا۔ کیونکہ اس زمانہ میں اسلام کی مظلومیت کے لئے یہی علاج قرین مصلحت تھا۔ پھر جب وہ زمانہ جاتا رہا اور کوئی شخص زمین پر ایسا نہ رہا کہ مذہب کے لئے اسلام پر جبر کرے اس لئے خدا نے جلالی رنگ کو منسوخ کر کے اسم احمدؐ کا نمونہ ظاہر کرنا چاہا یعنی جمالی رنگ دکھلانا چاہا۔

سو اس نے قدیم وعدہ کے موافق اپنے مسیح موعود کو پیدا کیا جو عیسیٰ کا اوتار اور احمدی رنگ میں ہو کر جمالی اخلاق کو ظاہر کرنے والا ہے اور خدا نے تمہیں اس عیسیٰ احمد صفت کے لئے بطور اعضاء کے بنایا۔ سو اب وقت ہے کہ اپنی اخلاقی قوتوں کا حسن اور جمال دکھلاؤ۔ چاہئے کہ تم میں خدا کی مخلوق کے لئے عام ہمدردی ہو اور کوئی چھل اور دھوکہ تمہاری طبیعت میں نہ ہو۔ تم اسم احمدؐ کے مظہر ہو۔ سو چاہئے کہ دن رات خدا کی حمد و ثنا تمہارا کام ہو اور خادمانہ حالت جو حامد ہونے کے لئے لازم ہے اپنے اندر پیدا کرو‘‘۔

(روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 446۔ اربعین نمبر 4)

’’اِس فرقہ کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ اس لئے رکھا گیا کہ ہمارے نبی ﷺ کے دو نام تھے۔ ایک محمد ﷺ دوسرا احمد ﷺ۔ اور اسم محمدؐ جلالی نام تھا اور اس میں یہ مخفی پیشگوئی تھی کہ آنحضرت ﷺ ان دشمنوں کو تلوار کے ساتھ سزا دیں گے جنہوں نے تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کیا اور صدہا مسلمانوں کو قتل کیا لیکن اسم احمدؐ جمالی نام تھا جس سے یہ مطلب تھا کہ آنحضرت ﷺ دنیا میں آشتی اور صلح پھیلائیں گے۔

سو خدا نے ان دو ناموں کی اس طرح پر تقسیم کی کہ اوّل آنحضرت ﷺ کی مکہ کی زندگی میں اسم احمد کا ظہور تھا اور ہر طرح سے صبر اور شکیبائی کی تعلیم تھی اور پھر مدینہ کی زندگی میں اسم محمد کا ظہور ہوا۔ اور مخالفوں کی سرکوبی خدا کی حکمت اور مصلحت نے ضروری سمجھی۔ لیکن یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ آخری زمانہ میں پھر اسم احمد ظہور کرے گا اور ایسا شخص ظاہر ہوگا جس کے ذریعہ سے احمدی صفات یعنی جمالی صفات ظہور میں آئیں گی۔ اور تمام لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پس اسی وجہ سے مناسب معلوم ہوا کہ اس فرقہ کا نام فرقہ احمدیہ رکھا جائے تا اس نام کو سنتے ہی ہر ایک شخص سمجھ لے کہ یہ فرقہ دنیا میں آشتی اور صلح پھیلانے آیا ہے۔ اور جنگ اور لڑائی سے اس فرقہ کو کچھ سروکار نہیں۔‘‘

(روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 528-527۔ تریاق القلوب)

خطبہ جمعہ

اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں ہم پر احسان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق کو بھیجا

سچا اور کامل شفیع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے قوم کو بت پرستی اور ہر قسم کے فسق و فجور کی گندگیوں اور ناپاکیوں سے نکال کر اعلیٰ درجہ کی قوم بنا دیا۔

جس طرح نور ظلمت کو دُور کرتا ہے اور تریاق زہر کا اثر زائل کرتا ہے اور آگ جلاتی ہے ایسا ہی سچی اطاعت اور محبت کا اثر ہوتا ہے

قرآن مجید ،احادیث نبویہ اور حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے ارشادات کے حوالہ سے شفاعت کے اسلامی نظریہ کی پُرمعارف تشریح

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ مورخہ 06 مئی 2011ء بمطابق 06 ہجرت 1390 ہجری شمسی بمقام مسجد بیت الفتوح ،لندن (برطانیہ)

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ

وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

أَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِکِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ ○ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ○ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ○

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اَلْحَیُّ الْقَيُّوْمُ۔ لَاتَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۔يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ وَلَا يَؤُدُهٗ حِفْظُهُمَا۔ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِيْمُ○

(البقرة:256)

کچھ عرصہ ہوا، مَیں نے اپنے ایک خطبہ میں اس حوالے سے بات کی تھی کہ آج کل عموماً مسلمان اپنی توجہ نیکیوں کی طرف رکھنے اور خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے اور اس میں بڑھنے کی بجائے پیروں فقیروں کے پاس جانے یا اُن کی قبروں پر منتیں مانگنے یا پُرانے بزرگوں اور اولیاء کی قبروں اور مزاروں پر جا کر اُن سے اس طرح مانگنے میں لگے ہوئے ہیں جس طرح خدا تعالیٰ سے مانگا جاتا ہے۔ پاکستان ہندوستان وغیرہ کی اکثریت تعلیم کی کمی کی وجہ سے اور نسلاً بعد نسلٍ پیر پرستی کے تصور کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ یہ پیر یا فقیر یا بزرگ اور اولیاء ہماری مرادیں پوری کر سکتے ہیں، ہماری دادرَسی کر سکتے ہیں۔ اس لئے اُن سے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ اور بعض تو شرک میں اس حد تک بڑھے ہوئے ہیں کہ قبروں پر سجدے بھی کر دیتے ہیں۔ بلکہ ایسے واقعات بھی ہیں کہ عورتیں کہتی ہیں کہ یہ بیٹا ہمیں خدا تعالیٰ نے نہیں دیا بلکہ داتا صاحب نے دیا ہے۔ تو اس حد تک شرک بڑھا ہوا ہے۔ پس ایسے وقت میں جب مسلمان جو سب سے بڑھے موحّد کہلانے چاہئیں کہ اُن کی تعلیم ہی یہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی بات پر زور دیتے رہے، قرآنِ کریم ہمیں اِسی بات کی تعلیم دیتا ہے لیکن بدقسمتی سے یہ موحّد بھی اس شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ان میں ایسے شرک کی باتیں ہو رہی ہیں جو بعض دفعہ اِن کو اسلام کے بجائے مشرکین کے زیادہ قریب کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں ہم پر احسان کرتے ہوئے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق کو بھیجا تا کہ اس زمانہ میں اس غلط تعلیم کو اور اس بگاڑی ہوئی تعلیم کو جو پیروں فقیروں کی وجہ سے بگڑ گئی ہے، اُس کی صحیح طرف رہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرستادے، زمانے کے حَکم اور عدل، مسیح و مہدی اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق نے ہمیں اس

شرک کے گند سے نکالنے کے لئے وہ رہنمائی فرمائی ہے جو عین اُس تعلیم کے مطابق ہے جو قرآنِ کریم کی تعلیم ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت قائم ہوتی ہے۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی تعلیم کا پتہ لگتا ہے۔ جس سے آپ کی بڑائی اور برتری ثابت ہوتی ہے۔ جس سے تمام مذاہب پر اسلام کی برتری ثابت ہوتی ہے۔ دوسرے مذاہب والے جتنا بھی چاہیں یہ کہتے پھریں کہ ہمارے مذہب میں نجات ہے اور خاص طور پر عیسائیت کا یہ دعویٰ ہے کہ مسیح نے صلیبی موت سے ہمارے لئے کفارہ ادا کر دیا ہے۔ اب مسیح ہی ہمارے لئے راہِ نجات ہے اور پھر اس لئے بھی کہ وہ خدا کا بیٹا ہے اور اِس کے ماننے والے ہر قسم کے گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں تو اس وجہ سے وہ بلکہ عیسائیت میں جو سینٹس (Saints) کہلاتے ہیں وہ بھی شفاعت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ گزشتہ دنوں سابقہ پوپ جان پال دی سیکنڈ جو تھے، اُن کے بارہ میں بھی عیسائی دنیا میں کہا گیا کہ اُس کے بعض معجزات کی وجہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ اُسے بھی شفاعت کا مقام مل گیا ہے کیونکہ ایک خاص مقام پر وہ فائز ہو گیا ہے۔ اُس کو ایسا قرب مل گیا ہے جہاں وہ شفاعت کر سکتا ہے اور وہاں جنت میں بیٹھ کر وہ یہ کام کر سکتے ہیں۔ بہر حال یہ تو اُن کے نظریات ہیں۔ اُن کی جو غلط تعلیم ہے اُس کے مطابق وہ کرتے ہیں۔ جو وہ سمجھتے ہیں سمجھتے رہیں۔ اصل تو یہ ہے کہ اُن کی تعلیم ہی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کے مکمل طور پر خلاف چلتے ہوئے شرک پر بنیاد کر رہی ہے۔ لیکن اس تعلیم کے متعلق بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں جنہوں نے ہمیں عیسائیت کے اِن غلط نظریات کے بارہ میں بتایا۔ اِس وقت مَیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک حوالہ پیش کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:

''سو یاد رکھو کہ خدائی کے دعویٰ کی حضرت مسیح پر سراسر تہمت ہے۔ انہوں نے ہرگز ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ جو کچھ اُنہوں نے اپنی نسبت فرمایا ہے وہ الفاظ شفاعت کی حد سے بڑھتے نہیں۔ سو نبیوں کی شفاعت سے کس کو انکار ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی شفاعت سے کئی مرتبہ بنی اسرائیل بھڑکتے ہوئے عذاب سے نجات پا گئے اور مَیں خود اس میں صاحبِ تجربہ ہوں''۔ فرمایا ''اور میری جماعت کے اکثر معزز خوب جانتے ہیں کہ میری شفاعت سے بعض مصائب اور امراض کے مبتلا اپنے دُکھوں سے رہائی پا گئے اور یہ خبریں اُن کو پہلے سے دی گئی تھیں۔ اور مسیح کا اپنی امت کی نجات کے لئے مصلوب ہونا اور اُمت کا گناہ اُن پر ڈالے جانا ایک ایسا مہمل عقیدہ ہے جو عقل سے ہزاروں کوس دور ہے۔ خدا کی صفاتِ عدل اور انصاف سے یہ بہت بعید ہے کہ گناہ کوئی کرے اور سزا کسی دوسرے کو دی جائے۔ غرض یہ عقیدہ غلطیوں کا ایک مجموعہ ہے''۔

(لیکچر سیالکوٹ روحانی خزائن جلد نمبر20 صفحہ نمبر236)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

''حقیقی اور سچی بات یہ ہے .... کہ شفیع کے لئے ضروری ہے کہ اوّل خدا تعالیٰ سے تعلق کامل ہو تا کہ وہ خدا سے فیض کو حاصل کرے اور پھر مخلوق سے شدید تعلق ہو تا کہ وہ فیض اور خیر جو وہ خدا سے حاصل کرتا ہے مخلوق کو پہنچاوے۔ جب تک یہ دونوں تعلق شدید نہ ہوں شفیع نہیں ہو سکتا۔

پھر اسی مسئلہ پر تیسری بحث قابلِ غور یہ ہے کہ جب تک نمونے نہ دیکھے جائیں کوئی مفید نتیجہ نہیں نکل سکتا اور ساری بحثیں فرضی ہیں''۔ (یعنی خدا تعالیٰ کا تعلق اور پھر مخلوق سے تعلق اور اُس کا فیض، اللہ تعالیٰ کے تعلق کا فیض بھی مخلوق کو پہنچانا، اِس کے نتیجے ہونے چاہئیں۔ اگر یہ نہیں تو فرضی بحثیں ہیں)۔ فرمایا کہ ''مسیح کے نمونہ کو دیکھ لو کہ چند حواریوں کو بھی درست نہ کر سکے۔ ہمیشہ اُن کو سُست اعتقاد کہتے رہے بلکہ بعض کو شیطان بھی کہا اور انجیل کی رُو سے کوئی نمونہ کامل ہونا ثابت نہیں ہوتا''۔ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ انجیل یہ کہتی ہے کہ اپنے حواریوں کو بھی درست نہیں کیا اور اُنہیں بُرا بھلا کہا) فرمایا کہ ''بالمقابل ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کامل نمونہ ہیں کہ کیسے روحانی اور جسمانی طور پر انہوں نے عذابِ الیم سے چھڑایا اور گناہ کی زندگی سے اُن کو نکالا کہ عالَم ہی پلٹ دیا۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ کی شفاعت سے بھی فائدہ پہنچا۔ عیسائی جو مسیح کو مثیلِ موسیٰ قرار دیتے ہیں تو یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ موسیٰ کی طرح اُنہوں نے گناہ سے قوم کو بچایا ہو''۔ (بائبل میں Old Testament میں حضرت موسیٰ کی مثالیں تو ملتی ہیں لیکن حضرت عیسیٰ کے بارے میں نہیں۔ جو بھی کہا ہے پولوس (Paul) نے کہا ہے یا کچھ اور لوگوں نے جن کے نام تعارف میں نہیں دیئے جاتے) فرمایا ''بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح کے بعد قوم کی حالت بہت ہی بگڑ گئی اور اب بھی اگر کسی کو شک ہو تو لنڈن یا یورپ کے دوسرے شہروں میں جا کر دیکھ لے کہ آیا گناہ سے چھڑا دیا ہے یا پھنسا دیا ہے''۔ (اب جو گناہ ہے، گناہ کی تعریف ہے، جو برائی ہے۔ اگر اُس کی تعریف بدل دی جائے، برائیاں آزادی اور نیکیاں شمار ہونے لگیں تو پھر تو بے شک اِن کی تعلیم یا جو عمل ہے وہ ٹھیک ہے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ جو حقیقی برائیاں ہیں، اخلاق سے گری ہوئی حرکتیں ہیں، انسان کا انسانیت سے یا اخلاق لحاظ سے باہر نکلنا وہ برائیاں تو یورپ میں بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے یہ گناہ سے نکالنا نہیں ہے بلکہ گناہ میں اور ڈبونا ہے) فرمایا کہ '' ......نرے دعوے ہی دعوے ہیں جن کے ساتھ کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔ پس عیسائیوں کا یہ کہنا کہ مسیح چھوڑانے کے لئے آیا تھا ایک خیالی بات ہے جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے بعد قوم کی حالت بہت بگڑ گئی اور روحانیت سے بالکل دور جا پڑی''۔ (بلکہ چرچ تو اب خود کہتے ہیں کہ روحانیت سے ہم بہت دور

ہٹتے چلے جارہے ہیں) فرمایا کہ ''ہاں سچا شفیع اور کامل شفیع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے قوم کو بت پرستی اور ہر قسم کے فسق و فجور کی گندگیوں اور ناپاکیوں سے نکال کر اعلیٰ درجہ کی قوم بنادیا اور پھر اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہر زمانہ میں آپؐ کی پاکیزگی اور صداقت کے ثبوت کے لیے اللہ تعالیٰ نمونہ بھیج دیتا ہے''۔

(ملفوظات جلد نمبر2صفحہ نمبر159,160مطبوعہ ربوہ)

تو یہ ہے اصل تصویر جو ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عیسائیت کی دکھائی ہے کہ بائبل کی رُو سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی زندگی میں اپنے حواریوں کی اصلاح نہ کرسکنا ثابت ہے۔ پھر صلیبی موت جو اُن کے نزدیک لعنتی موت بھی ہے۔ یہ بھی یہودیوں کے نزدیک تو ایک برائی تھی گو اُس کی جو مرضی تاویلیں اب پیش کی جائیں۔ گو ہم احمدی مسلمان اس بات کو نہیں مانتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نبی کو بھی اپنے اُن تمام الزامات سے بچایا جو یہودی آپ پر لگانا چاہتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک لمبی عمر پائی اور اپنے مشن میں کامیاب ہوئے۔ اُس مقصد میں کامیاب ہوئے جس کے لئے خدا تعالیٰ نے اُن کو بھیجا تھا۔ پوپ کے حوالے سے یہ وضاحت، یہ بیان جو مَیں نے کیا ہے، اس لئے بھی بیان کیا ہے کہ آج کل سکولوں میں بھی کافی discussion ہو رہی ہے اور بچے اور نوجوان معجزہ کے بارے میں باتیں سنتے ہیں، ذکر سنتے ہیں اور پھر بعض دفعہ متأثر بھی ہو جاتے ہیں۔ تو انہیں یہ پتہ چلے کہ حقیقت کیا ہے؟

ہمیشہ یاد رکھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شفاعت کا جو مقام ہے وہی اصل مقام ہے، بلند مقام ہے۔ اور آپ کی زندگی سے لے کر آج تک آپ کے وصال کے بعد بھی یہ معجزات ہوتے چلے جارہے ہیں اور نمونے قائم ہو رہے ہیں۔ آپ کے ماننے والوں میں ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو معجزات دکھانے والے ہیں۔ ہم احمدی تو بڑے وثوق سے اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ آج بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے طفیل اپنی قدرت کے نظارے دکھاتا چلا جارہا ہے۔ اور اس یقین پر بھی ہم قائم ہیں اور اس ایمان پر قائم ہیں کہ کسی سینٹ (Saint) کی کسی سفارش کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآنِ کریم کی تعلیم پر عمل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی پیروی سے خدا ملتا ہے۔ عیسائی تو یہ خاص مقام کسی کو کسی کے مرنے کے بعد دلوا رہے ہیں اور وہ بھی خدا تعالیٰ نہیں دے رہا بلکہ لوگ دے رہے ہیں۔ یہ مقام، جس کی حقیقت بھی اب پتہ نہیں کہ وہ معجزات تھے کہ نہیں تھے۔ بلکہ پولینڈ کے ایک اخبار نے تو یہاں تک لکھا ہے اور اس پر اعتراض کیا ہے کہ ہوسکتا ہے ڈاکٹروں کی جو ٹیم بعض معجزات کے فیصلے کرتی ہے، اُن کی تشخیص صحیح بھی ہو کہ نہیں۔ جس عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُس کو پارکنسن (Parkinson) تھی، ہوسکتا ہے اُس سے ملتی جلتی کوئی اور بیماری ہو جس کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے اور جو تھوڑے عرصے بعد خود ہی ٹھیک بھی ہو جاتی ہے۔

بہر حال اس وقت مَیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ شفاعت کا صحیح اسلامی نظریہ کیا ہے؟ ایک مسلمان کے نزدیک شفاعت کیا ہے؟ اور کیا ہونی چاہئے؟ قرآنِ شریف میں اس بارہ میں کئی آیات ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں بہت جگہ پر مختلف آیات کے حوالے سے کھول کر یہ بیان فرمایا ہے کہ شفاعت کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یا عیسائیت کے نظریہ کے تعلق میں دو مثالیں مَیں پیش کر چکا ہوں۔ ابھی جو مَیں نے آیت تلاوت کی ہے، یہ آیۃ الکرسی کہلاتی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے اور ہم عموماً پڑھتے بھی رہتے ہیں۔ اکثروں کو یہ ترجمہ آتا بھی ہوگا۔ لیکن بہرحال ترجمہ سُن لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: اللہ! اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور قائم بالذات ہے۔ اُسے نہ تو اُونگھ پکڑتی ہے، نہ نیند۔ اُسی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ کون ہے جو اس کے حضور شفاعت کرے مگر اُس کے اِذن کے ساتھ۔ وہ جانتا ہے جو اُن کے سامنے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے۔ اور وہ اُس کے علم کا کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین پر ممتد ہے اور ان دونوں کی حفاظت اسے تھکاتی نہیں۔ اور وہ بہت بلند شان اور بڑی عظمت والا ہے۔

اِس آیت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمام آیات کی سردار ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ایک خوبصورت نقشہ کھینچا گیا ہے۔

(سنن الترمذی کتاب فضائل القرآن باب ما جاء فی فضل سورۃ البقرۃ و آیۃ الکرسی حدیث نمبر2878)

بلکہ یہ بھی روایت ہے کہ سورۃ بقرۃ کی پہلی چار آیات اور آیۃ الکرسی اور اس کے ساتھ کی دو آیات اور آخری تین آیات پڑھنے والے کے گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔

(سنن الدارمی کتاب فضائل القرآن باب فضل أول سورۃ البقرۃ و أیۃ الکرسی حدیث3383)

یعنی اگر انسان ان کو پڑھے، اس پر غور کرے، اس کو سمجھے، اس پر عمل کرنے

کی کوشش کرے تو شیطان ویسے ہی دور چلا جاتا ہے۔

پس اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے کہ اسلامی تعلیم پرعمل ہو۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا ادراک ہو اور دل کو ہمیشہ پاک رکھنے کی کوشش ہو۔ یہ عمل ہیں جن کے ساتھ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل ہوتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کے بارہ میں احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانی بشری کمزوریوں سے صرفِ نظر فرماتا ہے۔ لیکن عمل کچھ نہ ہوں، اللہ تعالیٰ پر یقین نہ ہو، نمازوں کی طرف توجہ نہ ہو، خدا تعالیٰ کے احکامات پرعمل کرنے کی طرف بے رغبتی ہو تو صرف پیروں فقیروں یا اولیاء کی قبروں پر دعاؤں پر ہی انحصار کرنے سے بخشش اور شفاعت کے سامان نہیں ہوتے۔ یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے کہ صرف پیروں فقیروں پر انحصار کیا جائے۔ عیسائیوں کا ظاہری شرک ہے تو یہاں مسلمانوں میں ظاہری بھی اور چھپا ہوا بھی، دونوں طرح کا شرک ملتا ہے۔ بہر حال اس آیت میں جو پیغام ہے، اس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تفاسیر کی روشنی میں ہی بیان کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ایک ایسی ذات ہے جو جامع صفاتِ کاملہ اور ہر ایک نقص سے منزّہ ہے۔ (ہر ایک نقص سے پاک ہے) وہی مستحقِ عبادت ہے۔ اُسی کا وجود بدیہی الثبوت ہے کیونکہ وہ حیّ بالذّات اور قائم بالذّات ہے'' (زندہ رہتا ہے۔ اپنی ذات میں زندہ ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا) اور بجز اس کے اور کسی چیز میں حیّ بالذات اور قائم بالذات ہونے کی صفت نہیں پائی جاتی''۔

(رپورٹ جلسہ سالانہ 1897ء مرتبہ حضرت یعقوب علی صاحب عرفانیؓ صفحہ 138۔ مطبوعہ قادیان 1899ء)

پھر آپ نے وضاحت فرمائی کہ باقی تمام چیزوں میں جو مخلوق ہیں، جو بھی ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو آپ ہی موجود ہو اور پھر قائم بھی رہے۔

(ماخوذ از رپورٹ جلسہ سالانہ 1897ء مرتبہ حضرت یعقوب علی صاحب عرفانیؓ صفحہ 138 مطبوعہ قادیان 1899ء)

یہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ باقی سب اُس کی مخلوق ہیں۔ اُن کو ایک وقت میں زندگی ملتی ہے یا وجود میں آتی ہیں اور پھر ختم ہو جاتی ہیں، قائم نہیں رہ سکتیں، ہمیشہ نہیں رہ سکتیں۔ اور جس کی زندگی ہی تھوڑی ہے اور قائم نہیں رہ سکتا اُس نے دعائیں کیا سننی ہیں۔ اُس نے کسی کی دعا کی قبولیت کیا کرنی ہے اور کسی کو اولاد کیا دینی ہے؟ پس اللہ ہی ایک ذات ہے جو سب طاقتوں کی مالک ہے۔ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گی۔

اس آیت میں ابتدا میں ہی پہلی یہ بات بتا دی کہ اللہ ہی تمہارا معبود ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اس لئے اگر اس کی صفات سے فیض پانا ہے تو ظاہری شرک اور مخفی شرک ہر ایک سے بچو۔

پھر فرمایا یہ بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے کہ اسے نیند نہیں آتی نہ اُونگھ آتی ہے۔ اُس کی ہر وقت اپنی مخلوق پر نظر ہے اور تمام نظام جو ہے وہ اس کو وہ چلا رہا ہے اور اس نظام کو چلانے سے تھکتا نہیں۔ ہمارے پیر فقیر تو تھک جاتے ہیں بلکہ اکثر تو آج کل کے، آجکل کیا، جو بھی گدی نشین پیر بنے ہوئے ہیں وہ تو نمازوں اور عبادتوں کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے اور اُن کا کام تو صرف کھانا پینا، عیاشیاں کرنا، اور پُرخوری کرنا ہے۔

پھر اس آیت میں شفاعت کے پہلو کو بیان کیا گیا ہے۔ گو شفاعت کا مسئلہ صحیح ہے۔ شفاعت ہوتی ہے۔ پچھلے خطبہ کا جو مَیں نے ذکر کیا تو اُس کے بعد مجھے کسی نے پوچھا تھا کہ اس طرح آپ نے ظاہر کیا کہ جس طرح کسی قسم کی شفاعت ہو ہی نہیں سکتی۔ شفاعت ہوتی ہے لیکن ان پیروں فقیروں کو اللہ تعالیٰ نے حق نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بِاِذْنِهٖ ۔ اللہ تعالیٰ کے اِذن سے شفاعت ہو سکتی ہے۔ آج مسلمانوں میں بھی کون یہ دعویٰ کر سکتا ہے۔ بیشک اسلام خدا تعالیٰ کا آخری اور مکمل دین ہے لیکن نہیں کہہ سکتے کہ اُس پر پورا عمل کرنے والے کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کا اِذن ہے۔ جنہوں نے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں مانا وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ویسے ہی باہر نکل رہے ہیں۔ جو احمدی ہیں، کتنے بھی بڑے بزرگ ہوں، اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو لیکن کوئی شفاعت کے اِذن کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خود اپنا یہ حال ہے۔ ایک واقعہ آپ نے بیان فرمایا کہ حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے بیٹے ایک دفعہ شدید بیمار ہو گئے۔ انہوں نے دعا کی درخواست کی تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی قربانیوں کو سامنے رکھتے ہوئے اُن کے لئے جب صحت کی دعا کی تو یہی جواب ملا کہ صحت نہیں ہو سکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ دعا نہیں تو مَیں شفاعت کرتا ہوں۔ اُس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ تم کون ہوتے ہو بغیر اِذن کے شفاعت کرنے والے۔ کہتے ہیں اس بات پر مَیں کانپ کر رہ گیا اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حالت دیکھی تو تھوڑی دیر

کے بعد ہی فرمایا کہ اِنَّکَ اَنْتَ الْمَجَازُ۔ کہ تجھے اس شفاعت کی اجازت دی جاتی ہے۔ اور پھر انہوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے وہ بیٹے بڑا لمبا عرصہ زندہ رہے۔

(ماخوذ از حقیقة الوحی روحانی خزائن جلد 22صفحہ229)

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اِذن ہوگا تب آپ شفاعت کریں گے۔ ایک لمبی حدیث ہے اس کا ایک حصہ ہے۔

(سنن الدارمی کتاب الرقاق باب فی الشفاعة حدیث 2806)

اور پھر ایک روایت ہے۔ زیاد بن ابی زیاد جو بنی مقسوم کے غلام تھے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم مرد یا عورت سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خادم سے دریافت فرماتے رہتے تھے کہ کیا تمہاری کوئی ضرورت ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ ایک روز اُس نے کہا کہ یا رسول اللہ! میری ایک حاجت ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا تمہاری حاجت کیا ہے؟ خادم نے عرض کی۔ میری حاجت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز میری شفاعت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں اس بات کی طرف کس نے توجہ دلائی؟ خادم نے عرض کیا میرے ربّ نے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیوں نہیں، پس تم سجدوں کی کثرت سے میری مدد کرو۔ مسند احمد بن حنبل کی یہ حدیث ہے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد نمبر5صفحہ 517حدیث خادم النبیؐ حدیث نمبر16173عالم الکتب بیروت 1998)

پس شفاعت اگر چاہتے ہو تو پھر سجدوں کی کثرت کی بھی ضرورت ہے۔ ایک آدھ نماز پڑھ لینے سے، پیروں کی قبروں پر سجدے کر لینے سے شفاعت نہیں ہوگی بلکہ سجدوں کی کثرت کرنے سے شفاعت ہوگی اور سجدے بھی وہ چاہئیں جو خالص ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور کئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کو واحد و یگانہ اور سب طاقتوں کا مالک سمجھتے ہوئے کئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کو تمام حاجات کا پورا کرنے والا سمجھا جائے۔

پھر ایک حدیث میں آتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ آپؐ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! قیامت کے روز لوگوں میں سے وہ کون خوش قسمت ہے جس کی آپ سفارش فرمائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوہریرہ! مجھے یہی خیال تھا کہ تم سے پہلے یہ بات مجھ سے اور کوئی نہیں پوچھے گا کیونکہ مَیں دیکھ چکا ہوں جو حرص تمہیں حدیث کے متعلق ہے۔ قیامت کے روز میری شفاعت کے ذریعے لوگوں میں سے خوش قسمت وہ شخص ہوگا جس نے اپنے دل یا فرمایا اپنے نفس کے اخلاص سے یہ کہا۔ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔

(صحیح البخاری کتاب العلم باب الحرص علی الحدیث حدیث:99)

پس اَللّٰہُ لاَ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ" جو اخلاص سے کہا گیا، دل سے کہا گیا، نفس کی کسی ملونی کے بغیر کہا گیا، وہی اصل چیز ہے، اور یہی اَصل ہے جو شفاعت کا حقدار ٹھہراتی ہے۔ اور ایسے لوگوں کی شفاعت کرنے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار فرمایا۔ ایک جگہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ آپ سے یہ اعلان کرواتا ہے کہ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ۔ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (آل عمران:32) کہ تُو کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْم۔ یہ آیت جہاں عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے ایک کھلا اعلان ہے کہ تمہارے یہ دعوے کہ تم خدا کے پیارے ہو اور اُس کے بچے ہو، خاص طور پر عیسائی جو کہتے ہیں کہ ہم خدا کے بیٹے کے ماننے والے ہیں، اس لئے خدا کے پیارے ہو گئے یا وہ ہمارے لئے نجات کا باعث بن گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارے دعوے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتّباع ہی اللہ تعالیٰ کا پیارا بنا سکتی ہے۔ یہ تمام مذہب والوں کو ایک چیلنج ہے۔ اسی طرح ہمارے لئے بھی اس میں یہی حکم ہے کہ نام کا اسلام ہی نہیں بلکہ پیرویٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ وجود ہیں جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو جاننے والے ہیں اور اُس کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے والے تھے۔ پس اگر آپ کی شفاعت سے حصہ لینا ہے تو پھر آپ کی سنت پر عمل کرنا ہوگا، آپؐ کے عمل کو دیکھنا ہوگا۔ اپنے اوپر قرآنِ کریم کی حکومت کو لاگو کرنا ہوگا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہی فرمایا ہے کہ کَانَ خُلُقُہُ اَلْقُرْاٰن۔ یہی آپ کا امتیاز اور آپ کی شان تھی کہ آپ کا ہر فعل، ہر قول، ہر عمل قرآنِ کریم کے مطابق تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"اور قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بارے میں مختلف مقامات میں ذکر فرمایا گیا ہے جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ

تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔ ترجمہ: کہہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو آ ؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے۔اب دیکھو کہ یہ آیت کس قدر صراحت سے بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا جس کے لوازم میں سے محبت اور تعظیم اور اطاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔اس کا ضروری نتیجہ یہ ہے کہ انسان خدا کا محبوب بن جاتا ہے اور اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں یعنی اگر کوئی گناہ کی زہر کھا چکا ہے تو محبت اور اطاعت اور پیروی کے تریاق سے اس زہر کا اثر جاتا رہتا ہے اور جس طرح بذریعہ دوا مرض سے ایک انسان پاک ہوسکتا ہے ایسا ہی ایک شخص گناہ سے پاک ہو جاتا ہے اور جس طرح نور ظلمت کو دور کرتا ہے اور تریاق زہر کا اثر زائل کرتا ہے اور آگ جلاتی ہے ایسا ہی سچی اطاعت اور محبت کا اثر ہوتا ہے''۔

(عصمت انبیاء علیہم السلام ۔روحانی خزائن جلد نمبر18صفحہ680)

پس یہ سچی اطاعت اور پیروی جو ایک مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کرنی چاہئے۔اسی سے آپ کا اُمتی ہونے کا صحیح حق ادا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ایک انسان، ایک مسلمان، ایک حقیقی مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کے لئے کی گئی دعاؤں کا وارث بنتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مضمون کو مزید کھول کر اور اس کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

''یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہئے کہ شفاعت کوئی چیز نہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ شفاعت حق ہے اور اس پر یہ نص صریح ہے وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ۔اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبہ:103)۔یہ شفاعت کا فلسفہ ہے۔یعنی جو گناہوں میں نفسانیت کا جوش ہے وہ ٹھنڈا پڑ جاوے۔شفاعت کا نتیجہ یہ بتایا ہے کہ گناہ کی زندگی پر ایک موت وارد ہو جاتی ہے اور نفسانی جوشوں اور جذبات میں ایک برودت آ جاتی ہے۔جس سے گناہوں کا صدور بند ہو کر اُن کے بالمقابل نیکیاں شروع ہو جاتی ہیں۔پس شفاعت کے مسئلہ نے اعمال کو بیکار نہیں کیا بلکہ اعمالِ حسنہ کی تحریک کی ہے''۔شفاعت کے مسئلے سے نیک اعمال بجالانے کی مزید تحریک پیدا ہوتی ہے۔فرمایا:''شفاعت کے مسئلہ کے فلسفہ کو نہ سمجھ کر احمقوں نے اعتراض کیا ہے۔اور شفاعت اور کفّارہ کو ایک قرار دیا۔حالانکہ یہ ایک نہیں ہوسکتے ہیں۔کفّارہ اعمالِ حسنہ سے مستغنی کرتا ہے''۔(فلاں شخص نے جو کفارہ ادا کر دیا اور میرا جرم لے لیا، اس لئے مجھے نیکیاں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔تو یہ کفارہ ہے۔اب عیسائی جو مرضی کرتے رہیں۔حضرت عیسیٰ اُن کی خاطر لعنتی موت مر گئے (نعوذ باللہ) تو کفّارہ ہو گیا۔اس لئے کفّارے نے تو اعمالِ حسنہ سے ایک انسان کو فارغ کر دیا)۔فرمایا:''اور شفاعت اعمالِ حسنہ کی تحریک''(کرتی ہے)۔''جو چیز اپنے اندر فلسفہ نہیں رکھتی ہے وہ ہیچ ہے۔ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اسلامی اصول اور عقائد اور اُس کی ہر تعلیم اپنے اندر ایک فلسفہ رکھتی ہے اور علمی پیرایہ اس کے ساتھ موجود ہے جو دوسرے مذاہب کے عقائد میں نہیں ملتا''۔

فرمایا:''شفاعت اعمالِ حسنہ کی محرّک کس طرح پر ہے؟''(یہ سوال اُٹھتا ہے)''اس سوال کا جواب بھی قرآنِ شریف ہی سے ملتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ وہ کفّارہ کا رنگ اپنے اندر نہیں رکھتی''(جو عیسائی مانتے ہیں)۔''کیونکہ اس پر حصر نہیں کیا جس سے کاہلی اور سستی پیدا ہوتی ہے''۔(یہ جو کفارہ ہے اگر اس پر انحصار کریں تو کاہلی اور سستی پیدا ہوتی ہے)''بلکہ فرمایا اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ(البقرۃ: 187)۔یعنی جب میرے بندے میرے بارے میں تجھ سے سوال کریں کہ وہ کہاں ہے؟ تُو کہہ دے کہ مَیں قریب ہوں۔قریب والا تو سب کچھ کر سکتا ہے۔دور والا کیا کرے گا؟ اگر آگ لگی ہوئی ہو تو دُور والے کو جب تک خبر پہنچے اُس وقت تک تو شاید وہ جل کر خاک سیاہ بھی ہو چکے۔اس لئے فرمایا کہہ دو مَیں قریب ہوں۔پس یہ آیت بھی قبولیتِ دعا کا ایک راز بتاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت پر ایک ایمانِ کامل پیدا ہو اور اُسے ہر وقت اپنے قریب یقین کیا جاوے''۔اور ایمان ہو کہ وہ ہر پکار کو سنتا ہے۔''بہت سی دعاؤں کے ردّ ہونے کا یہ بھی سرّ ہے کہ دعا کرنے والا اپنی ضعیف الایمانی سے دعا کو مسترد کرا لیتا ہے۔اس لئے یہ ضروری ہے کہ دعا کو قبول ہونے کے لائق بنایا جاوے۔کیونکہ اگر وہ دعا خدا تعالیٰ کی شرائط کے نیچے نہیں ہے تو پھر اس کو خواہ سارے نبی بھی مل کر کریں تو قبول نہ ہو گی اور کوئی فائدہ اور نتیجہ اس پر مرتب نہیں ہو سکے گا''۔(اس کو دعا قبول کروانے کے لئے اپنے آپ کو ان شرائط کے نیچے بھی لانا ہوگا اور شرائط وہی ہیں۔ فَاتَّبِعُوْنِيْ۔میری پیروی کرو۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو۔قرآنِ کریم پر عمل کرو)۔فرمایا:''اب یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: صَلِّ عَلَيْهِمْ۔ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ(التوبة:104)۔تیری صلوٰۃ سے اُن کو ٹھنڈ پڑ جاتی ہے''۔(تیری دعا سے اُن کو ٹھنڈ پڑ جاتی ہے)''اور جوش اور جذبات کی آگ سرد ہو جاتی ہے۔دوسری طرف فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ (البقرۃ:189) کا بھی حکم فرمایا۔ان دونوں آیتوں کے ملانے سے دعا کرنے اور کرانے والے کے تعلقات پھر اُن تعلقات سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں، اُن کا بھی پتہ لگتا ہے''۔(ایک تو آپس میں دعا کرنے اور

کرانے والے کے تعلقات کا پتہ لگتا ہے۔ پھر اُن کے نتائج کا بھی پتہ لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے انسان مانگے ،مکمل پیروی کرے ،مکمل ایمان دکھائے تو پھر انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کے لئے کی گئی دعاؤں کا بھی وارث بنتا ہے۔اس کے یہ نتائج پیدا ہوتے ہیں اور پھر وہ نتائج نظر آتے ہیں۔)'' کیونکہ صرف اسی بات پر منحصر نہیں کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور دعا ہی کافی ہے اور خود کچھ نہ کیا جاوے۔ اور نہ یہی فلاح کا باعث ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور دعا کی ضرورت ہی نہ سمجھی جائے''۔

(ملفوظات جلد 2صفحہ 701تا703مطبوعہ ربوہ)

پس انسان کے اپنے عمل ،اُس کا اللہ تعالیٰ کے حضور خالص ہو کر جھکنا ،اُس کی عبادت کرنا ،اُس سے اپنی حاجات مانگنا یہ چیزیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا حقیقی فرد بناتی ہیں۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اور چھوٹا سا اقتباس ہے۔آپ نے فرمایا:

''دعا اُسی کو فائدہ پہنچا سکتی ہے جو خود بھی اپنی اصلاح کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے سچے تعلق کو قائم کرتا ہے۔ پیغمبر کسی کے لئے اگر شفاعت کرے لیکن وہ شخص جس کی شفاعت کی گئی ہے اپنی اصلاح نہ کرے اور غفلت کی زندگی سے نہ نکلے تو وہ شفاعت اُس کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی''۔

(ملفوظات جلد نمبر3صفحہ 172مطبوعہ ربوہ)

ایک حدیث میں آتا ہے۔حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کے لئے ایک خاص دعا ہوتی ہے جو کہ وہ نبی مانگتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ مَیں اپنی اس خاص دعا کو اپنی امت کی شفاعت کے لئے قیامت تک بچا کر رکھوں گا۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان بَابُ اخْتِبَاءِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعْوَۃَ الشَّفَاعَۃِ لِأُمَّتِہٖ حدیث487)

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری تا قیامت آنے والی نسلوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں حقیقی رنگ میں شامل ہونے والا بنائے تا کہ شفاعت سے فیض پانے والے ہوں۔

اب مَیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت کے تعلق سے بعض دعائیں پیش کرتا ہوں جو آئینہ کمالاتِ اسلام میں درج ہیں۔آپ فرماتے ہیں۔

رَبِّ اجْزِ مِنَّا ھٰذَا الرَّسُوْلَ الْکَرِیْمَ خَیْرَ مَا تَجْزِی اَحَدًا مِنَ الْوَرٰی۔ وَتَوَفَّنَا فِی زُمْرَتِہٖ وَاحْشُرْنَا فِی اُمَّتِہٖ وَاسْقِنَا مِنْ عَیْنِہٖ وَاجْعَلْھَا لَنَا السُّقْیَا وَاجْعَلْہُ لَنَا الشَّفِیْعَ الْمُشَفَّعَ فِی الْاُوْلٰی وَالْاُخْرٰی۔ رَبِّ فَتَقَبَّلْ مِنَّا ھٰذَا الدُّعَاءَ وَاٰوِنَا فِی ھٰذَا الذُّرٰی۔

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد نمبر5صفحہ365-366)

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اس معزز رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف سے وہ بہترین جزا عطا فرما جو مخلوق میں سے کسی کو دی جاسکتی ہے اور ہم کو اس کے گروہ میں سے ہوتے ہوئے وفات دے اور ہم کو اس کی امت میں سے ہوتے ہوئے قیامت کے دن اُٹھا اور ہم کو اس کے چشمے سے پلا۔ اور اس چشمے کو ہمارے لئے سیرابی کا ذریعہ بنادے اور اُسے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہمارے لئے شفاعت کرنے والا اور جس کی شفاعت قبول کی جائے ،بنادے۔ اے ہمارے ربّ! ہماری یہ دعا قبول فرما اور ہم کو اس پناہ گاہ میں جگہ دے۔

پھر ایک جگہ آپؑ فرماتے ہیں

اَللّٰھُمَّ فَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی ذٰلِکَ الشَّفِیْعِ الْمُشَفَّعِ الْمُنَجِّی لِنَوْعِ الْاِنْسَانِ۔

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد نمبر5صفحہ5)

اے اللہ! پس تو فضل اور سلامتی نازل فرما اس شفاعت کرنے والے پر، جس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے اور جو نوعِ انسان کا نجات دہندہ ہے۔ اور نوعِ انسان کا نجات دہندہ اب صرف اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر آپ فرماتے ہیں:

رَبِّ یَا رَبِّ اِسْمَعْ دُعَائِیْ فِی قَوْمِیْ وَ تَضَرُّعِیْ فِیْ اِخْوَتِیْ۔ اِنِّی اَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ۔ وَشَفِیْعِ وَ مُشَفَّعِ لِلْمُذْنِبِیْنَ۔

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد نمبر5صفحہ22)

اے میرے ربّ! تو میری قوم کے بارے میں میری دعا اور میرے بھائیوں کے بارے میں میری تضرعات کو سن۔ میں تیرے نبی خاتم النبیین اور گناہگاروں کی مقبول شفاعت کرنے والے کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام

کے بارے میں فرماتے ہیں۔ یہ آخری اقتباس پیش کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ:

''نوعِ انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کیلئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم۔ سوتم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ وجلال کے نبی کے ساتھ رکھواور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے۔ اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم رتبہ کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کیلئے زندہ ہے۔ اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کیلئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا اور آخر کار اُس کی روحانی فیض رسانی سے اس مسیح موعود کو دُنیا میں بھیجا جس کا آنا اسلامی عمارت کی تکمیل کیلئے ضروری تھا۔ کیونکہ ضرور تھا کہ یہ دُنیا ختم نہ ہو جب تک کہ محمدی سلسلہ کیلئے ایک مسیح روحانی رنگ کا نہ دیا جاتا جیسا کہ موسوی سلسلہ کیلئے دیا گیا تھا۔ اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ:6-7)''۔

(کشتیٔ نوح ۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 13-14)

پس اب ہمیشہ رہنے والا اور زندہ نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی ہے اور پھر آپ کے فیض سے فیض پا کر اللہ تعالیٰ نے جس مسیح ومہدی کو بھیجا ہے اُس کے ساتھ جڑنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی رنگ میں اس تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر کرتے چلے جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مسیح ومہدی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں آنے والے اس نبی اللہ کی جماعت کے ساتھ تعلق کو مضبوطی سے ہمیشہ جوڑے رکھنے کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے اور ہمیشہ ہم منعم علیہ گروہ میں شامل ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو حاصل کرنے والے بنتے چلے جائیں۔

****

ازل سے ہی تو خاتم الانبیاءؐ تھا

(اس نعت کی وجہِ تخلیق وہ حدیث ہے جس میں رسول پاک ﷺ نے فرمایا'' میں اُس وقت بھی خاتم الانبیاء تھا، جب آدم اپنی تخلیق کے گارے میں لت پت تھا)

ارشاد عرشی ملک

ازل سے ہی تُو خَاتَم الانبیاء تھا
ازل سے ہی تُو نقطۂ منتہا تھا

جب ارض و سما نہ زمان و مکاں تھا
اندھیرا خلا تھا، دھواں ہی دھواں تھا

نہ تھے چاند سورج، نہ تھیں کہکشائیں
نہ بادل، نہ بارش، نہ ٹھنڈی ہوائیں

سمندر نہیں تھے، فضائیں نہیں تھیں
یہ موسم نہیں تھے، گھٹائیں نہیں تھیں

تھی بزمِ عناصر عجب زلزلوں میں
جب آدم تھا تخلیق کے مرحلوں میں

تھا مٹی میں پانی میں، گارے میں لت پت
کل انسانیت تھی خسارے میں لت پت

ملائک تھے حیراں، عجب بے کلی تھی
تجسس تھا وہ سب کی جاں پر بنی تھی

نظر تب بھی خالق کی تجھ پر لگی تھی
اور ایسی نظر جس میں وارفتگی تھی

ترے واسطے ہی یہ سب غلغلہ تھا
ترے واسطے ہی جہاں سج رہا تھا

تُو اُس وقت بھی نقطۂ منتہا تھا
تُو اُس وقت بھی خَاتَم الانبیاء تھا

نبی کریم ﷺ کا حُسنِ معاشرت بحیثیت دوست و پڑوسی

حافظ مظفر احمد صاحب، ربوہ پاکستان

انسانی معاشرہ افراد کے مجموعہ کا نام ہے۔ جو میل جول اور باہمی تعلقات کے بغیر پروان نہیں چڑھ سکتا۔ اگر ہر انسان اپنے قریبی ماحول میں بسنے والے لوگوں کے معاشرتی حق ادا کرنے کا سلیقہ سیکھ لے تو کوئی فتنہ اور فساد پیدا نہ ہو اور دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔

رسول کریمؐ نے ایک مسلمان بھائی اور دوست کا کم از کم حق یہ بیان فرمایا کہ ''مومن وہ ہے جس سے دوسرے لوگ امن میں رہیں اور مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔'' (مستدرک حاکم جلد1 ص54)

پھر آپؐ نے فرمایا کہ باہمی محبت و اُلفت ایک دوسرے کے ساتھ شفقت سے پیش آنے میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے۔ جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ (مسند احمد جلد 4 ص278) اسی طرح فرمایا ''اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہوسکتا۔ جب تک اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔'' (مسند احمد جلد 3 ص 251)

پھر آپؐ نے تمام مومنوں کو دوستی سے مضبوط تر تعلق اسلامی اخوت کے دائرہ میں شامل کیا اور فرمایا کہ ''تم جنت میں داخل نہیں ہوسکتے جب تک ایمان نہ لاؤ اور مومن نہیں ہوسکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔'' (مسلم (2) کتاب الایمان باب 24)

آپؐ نے ایک مومن بھائی کے دوسرے مسلمان پر کچھ حق قائم کئے اور فرمایا۔ ''مومن کے مومن پر کچھ حق ہیں جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ جب فوت ہو تو جنازہ میں شامل ہو۔ وہ بلائے تو اسے جواب دے جب اس سے ملے تو سلام کرے جب اسے چھینک آئے تو اسے دعا دے۔ اور اس کی غیر موجودگی میں اس کی خیر خواہی کرے۔'' (سنن نسائی کتاب الجنائز باب النھی عن سب الاموات)

نبی کریمؐ نے اس لئے قیامِ امن کا سبق پہلے ایک فرد سے اور پھر گھر سے شروع کیا۔ ایک فرد کے ساتھ تعلق میں دوستی کے حقوق ایک دوسرے پر قائم ہوتے ہیں اور ایک گھر کے تعلق میں ہمسائیگی کا حق قائم ہوتا ہے۔ رسول کریمؐ کے جب اور جہاں بھی یہ تعلق قائم ہوئے آپؐ نے خوب نبھائے اور ان کا حق ادا کرکے دکھایا۔

آپؐ کی دوستی کمزور اور غریب لوگوں سے زیادہ ہوتی۔ فرماتے تھے ''مجھے اپنے کمزور لوگوں میں تلاش کیا کرو اور یاد رکھو تمہیں تمہارے کمزور محنت کش لوگوں کی وجہ سے ہی رزق ملتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔'' (سنن ترمذی (24) کتاب الجھاد باب 24)

آپؐ اکثر یہ دعا کرتے تھے اے اللہ مجھے مسکین ہونے کی حالت میں زندہ رکھنا اسی حالت میں موت دینا اور قیامت کے روز بھی مجھے مساکین کی جماعت سے اُٹھانا۔ (ترمذی (39) کتاب الدعوات)

حضرت عثمانؓ نے ایک دفعہ اپنے خطبہ میں بیان فرمایا کہ خدا کی قسم ہم رسول کریمؐ کی صحبت میں رہے سفر میں بھی اور حضر میں بھی۔ آپؐ ہمارے مریضوں کی عیادت فرماتے، ہمارے جنازوں میں شامل ہوتے اور ہمارے ساتھ جہاد میں خود شامل ہوتے تھے نیز کم یا زیادہ سے ہماری غمخواری اور مدد فرماتے تھے۔ (مسند احمد جلد1 ص69)

رسول کریمؐ نے اخوت اور دوستی کے بھی نئے آداب سکھائے آپؐ نے فرمایا ''کسی کے لئے جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے۔ کبھی ایسا نہ ہو کہ وہ دونوں دوست باہم ملیں تو ایک ادھر منہ پھیر لے اور دوسرا اُس طرف رُخ کرلے ان دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرتا ہے۔'' (بخاری (81) کتاب الادب باب 62)

رسول کریمؐ ساتھیوں کے جذبات کا بہت خیال رکھتے تھے۔ فرمایا ''جب تین ساتھی اکٹھے ہوں تو ان میں سے دو تیسرے کو چھوڑ کر الگ سرگوشی میں بات نہ کریں کیونکہ اس سے تیسرے ساتھی کی دلآزاری ہوگی۔'' (بخاری (82) کتاب الاستئذان باب 45)

رسول کریمؐ نے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے ان کے حق کا خیال رکھنے کی بھی تلقین فرمائی۔ چنانچہ کھجور کھاتے ہوئے دو دو کھجوریں اکٹھی کھانے سے منع

فرمایا۔(بخاری (73) کتاب الاطعمة باب 42)

وفا ایک قیمتی جوہر ہے۔رسول کریمؐ نے فرمایا کہ ''جو خدا کے بندوں کے احسانات کی قدر دانی نہیں کرتا وہ خدا کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔'' حقیقت یہ ہے وہ لوگ جو اپنے مولیٰ کے ساتھ وفا کے بے نظیر نمونے قائم کر کے دکھاتے ہیں انسانوں کے ساتھ تعلق اور دوستی میں ان سے بڑھ کر کوئی باوفا نہیں دیکھا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق جس سے بھی قائم ہوا آپؐ نے ہمیشہ اس کا لحاظ رکھا۔حقِ ہمسائیگی کا بھی آپؐ ہمیشہ خیال رکھتے۔فرماتے تھے کہ ''جبریلؑ نے مجھے ہمسایہ سے حسن سلوک کی اس قدر تلقین کی یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ ہمسایہ کو شاید حق وراثت میں بھی شامل کرنے کی ہدایت کریں گے۔''(بخاری(81) کتاب الادب باب28)

اسی طرح آپؐ نے فرمایا کہ ''کسی کے حسن و قبح کا معیار اس کا ہمسایوں سے سلوک ہے۔اگر تمہارے ہمسائے یہ کہیں کہ تم اچھے ہو تو واقعی تم اچھے ہو اور اگر ہمسائے کہیں کہ تم برے ہو تو واقعی تم بُرے ہو۔''(ابن ماجه (37) کتاب الزهد باب 25)

نبی کریمؐ نے بحیثیت دوست بھی اعلیٰ درجے کا نمونہ وفا دکھایا۔حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے ابتدائی زمانہ کے ساتھی تھے۔ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے ساتھ ان کی تکرار ہوگئی۔نبی کریمؐ کو پتہ چلا تو حضرت عمرؓ سے اظہار ناراضگی کرتے ہوئے فرمایا کہ ''تم لوگ میرے ساتھی کو میرے لئے چھوڑو گے یا نہیں؟ ابوبکرؓ وہ ہے جس نے اس وقت میری مدد کی جب سب نے انکار کیا۔''(بخاری (66) کتاب فضائل الصحابة باب 5)

حضرت ابوبکرؓ سے اظہار محبت اور دوستی کا ایک اور واقعہ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ اور آپؐ کے ساتھی ایک تالاب میں تیر رہے تھے تو آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص تیر کر اپنے ساتھی کی طرف جائے (یعنی ایک اِس کنارے سے تیرتا جائے اور دوسرا اُس کنارے سے تیرتا ہوا آئے) چنانچہ ہر شخص اپنے اپنے ساتھی کی طرف تیر کر چلا (یعنی سب کو ایک ایک ساتھی مل گیا) صرف آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ رہ گئے۔چنانچہ رسول اللہؐ حضرت ابوبکرؓ کی طرف تیرے یہاں تک کہ آپؐ نے (ان کے پاس پہنچ کر) انہیں گلے لگالیا اور فرمایا ''میں اور میرا ساتھی''۔ایک روایت میں ہے کہ ''میں اپنے ساتھی کی طرف، میں اپنے ساتھی کی طرف''۔(سیرت الحلبیه اُردو جلد اول ص172)

بلالؓ اور زید بن حارثہؓ جو مکی دور ابتلاء کے ساتھی تھے اور حضرت ابوبکرؓ جو سفر ہجرت کے آڑے وقت میں ہمسفر تھے، فتح مکہ کی عظیم الشان فتح کے وقت ان ساتھیوں کو رسول کریمؐ نے فراموش نہیں کیا۔اس روز آپؐ کی شاہی سواری کے دائیں ابوبکرؓ تھے تو بائیں بلالؓ اور زیدؓ اگر چہ فوت ہو چکے تھے مگر اس کے بیٹے اسامہؓ کو آپؐ نے اپنی سواری کے پیچھے بٹھایا ہوا تھا۔اس طرح وفاؤں کے جلو میں یہ قافلہ مکے میں داخل ہوا۔(بخاری (67) کتاب المغازی باب 44)

غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کی کھدائی ہو رہی تھی اور نبی کریمؐ اپنے انصار اور مہاجرین دوستوں کے ساتھ مل کر یہ دعائیہ نغمے پڑھ رہے تھے۔

اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرَ الآخِرَۃ

فَاغْفِرِ الاَ نْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃ

اے اللہ! اصل بھلائی تو آخرت کی بھلائی ہے۔پس تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔

رسول کریمؐ انصار مدینہ کی قربانیوں کی بہت قدر فرماتے تھے۔ایک دفعہ مدینہ میں انصار کی عورتیں اور بچے کسی شادی کی تقریب سے واپس لوٹ رہے تھے کہ رسول کریمؐ نے دیکھ لیا۔آپؐ ان کے سامنے جا کر کھڑے ہوگئے اور دو دفعہ وفور جذبات میں فرمایا ''خدا کی قسم! تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ پیارے ہو۔''(بخاری (66) کتاب فضائل الصحابة باب 35)

رسول کریمؐ کو اپنے خدام سے خاص محبت تھی۔اور ان کی خدمات کا خاص احترام آپؐ کے دل میں ہوتا تھا۔اس سلسلہ میں شہدائے احد کی مثال قابل ذکر ہے۔جن سے حضورؐ کو گہری دلی محبت تھی۔چنانچہ اپنی زندگی کی شاندار فتح غزوۂ خیبر سے واپس آتے ہوئے جب احد مقام پر پہنچے تو وادیٔ احد کے شہید آپؐ کو یاد آئے۔جن کے خون سے یہ وادی لالہ رنگ ہوئی تھی۔اور جن کو ان کے خونوں سمیت احد کے دامن میں دفن کیا گیا تھا۔آپؐ وادی احد سے گزرتے ہوئے فرمانے لگے۔احد کو ہم سے محبت ہے اور ہمیں احد سے۔مراد اہل احد سے تھی۔ان مسکینوں سے جو دامن احد میں زیر خاک تھے اور ان زندوں سے جو وادیٔ مدینہ میں آباد تھے۔(بخاری (67) کتاب المغازی باب 11)

ایک دفعہ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے شہدائے احد کے بارہ میں فرمایا کہ میں ان لوگوں کے حق میں گواہی دونگا۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا ہم ان کے بھائی نہیں؟ جیسے انہوں نے اسلام قبول کیا ہم نے کیا۔جیسے انہوں نے جہاد کیا ہم نے کیا۔رسول اللہؐ نے فرمایا ہاں! لیکن مجھے کیا معلوم تم لوگ میرے بعد کیا کرو گے؟ اس پر حضرت ابوبکرؓ روئے اور بہت روئے۔پھر کہنے لگے کیا ہم

آپؐ کے بعد تنہا رہ جائیں گے؟

(مؤطاامام مالک کتاب الجهاد باب الشهداء فی سبیل الله)

حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ شہدائے احد کی شہادت کے آٹھ سال بعد (یعنی 11ھ میں اپنی وفات کے سال) رسول کریمؐ نے احد کے شہیدوں پر جا کر دعا کی۔ صحابہؓ کہتے ہیں ایسے لگتا تھا جیسے آپؐ زندوں کے ساتھ مردوں کو بھی الوداع کہہ رہے ہیں۔

دوستوں کے لئے غیرت

فتح مکہ کے سفر میں مرالظہران میں پڑاؤ کے دوران حضرت عبداللہؓ بن مسعود اپنے چھریرے بدن اور پتلی ٹانگوں کی وجہ سے پھرتی سے درختوں پر چڑھ جاتے اور کالی کالی پیلو اتار کر لاتے۔ بعض صحابہؓ ان کی دبلی پتلی ٹانگوں کا مذاق اڑانے لگے۔ آپؐ نے دیکھا کہ مذاق استہزاء کا رنگ اختیار نہ کر جائے۔ تب اپنے اس صحابی کے لئے آپؐ کو غیرت آئی۔ فرمایا ''اس کی سوکھی ہوئی ٹانگوں کو حقارت سے مت دیکھو۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت وزنی ہیں۔'' (الطبقات الکبری لابن سعد جز 3 ص155)

دیرینہ ساتھی کے والد کا لحاظ

فتح مکہ کے موقع پر نبی کریمؐ صحن کعبہ میں تشریف فرما تھے کہ حضرت ابوبکرؓ اپنے بوڑھے باپ ابوقحافہ کو ہمراہ لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کی بیعت کے لئے حاضر ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رفقاء سے حسن سلوک اور کمال عجز وانکسار ملاحظہ ہو۔ اپنے دیرینہ جانی رفیق حضرت ابوبکرؓ کے والد جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے کو دیکھ کر فرمانے لگے۔ ''اپنے بزرگ اور بوڑھے باپ کو آپ گھر میں ہی رہنے دیتے اور مجھے موقع دیتے کہ میں خود ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔'' حضرت ابوبکرؓ اس شفقت پر وارے جاتے ہیں کمال ادب سے عرض کیا اے خدا کے رسولؐ! ان کا زیادہ حق بنتا تھا کہ چل کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوں بجائے اس کے کہ حضورؐ بنفس نفیس تشریف لے جاتے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے سامنے بٹھا کر ابوقحافہ کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ اب اسلام قبول کر لیجئے۔ ان کا دل تو محبت بھری باتوں سے رسول اللہؐ پہلے ہی جیت چکے تھے۔ ابوقحافہ کو انکار کا یارا کہاں تھا انہوں نے فوراً سر تسلیم خم کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر ان سے دل لگی کی باتیں کرنے لگے ان کے بالوں میں سفیدی دیکھی تو فرمایا کہ ''خضاب وغیرہ لگا کر ان کے بالوں کا رنگ تو بدلو۔'' (السیرۃ النبویۃ ابن ھشام جلد 4 صفحہ 91)

رسول کریمؐ کو قدیم دوستانہ تعلقات کا بہت پاس ہوتا تھا۔ اور ایک عجب وفا اور پاسِ عہد کے ساتھ ان کو زندہ رکھتے تھے۔ آپؐ کسی کی نیکی فراموش نہ کرتے تھے۔

نجاشی شاہ حبشہ کا وفد آیا تو آنحضرتؐ ان کی خدمت کے لئے خود کمربستہ ہو گئے۔ صحابہ نے عرض کیا ہم آپؐ کی طرف سے نمائندگی کر دیں گے۔ آپؐ نے فرمایا انہوں نے ہمارے دوستوں کی عزت کی تھی اور میرا دل کرتا ہے کہ خود ان کی خدمت کر کے ان کا بدلہ چکاؤں۔ (دلائل النبوۃ للبیھقی جلد2 ص307)

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد بھی ان کی سہیلیوں کو تحائف بھجوا کر انہیں یاد رکھتے۔ (بخاری(66) کتاب فضائل الصحابة باب 50)

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی تھیں کہ ایک دفعہ ایک بڑھیا نبی کریمؐ کے پاس آئی۔ حضورؐ کی باری میرے ہاں تھی۔ آپؐ نے اس کا تعارف پوچھا وہ کہنے لگی۔ میں جثامہ ہوں مزنی قبیلہ سے میرا تعلق ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں ہاں تم تو مزنی قبیلہ کی بہت اچھی عورت ہو۔ تم کیسی ہو؟ احوال کیا ہیں؟ ہمارے مدینہ آ جانے کے بعد تم پر کیا گزری؟ وہ کہنے لگی میرے ماں باپ آپؐ پر قربان اے اللہ کے رسولؐ! ہم خیریت سے ہیں۔ حضورؐ اُس سے نہایت شفقت سے باتیں کرتے رہے۔ جب وہ چلی گئی تو میں نے تعجب سے کہا یا رسول اللہؐ! ایک بڑھیا کے لئے اتنا تپاک اور التفات؟ فرمانے لگے ''ہاں! یہ عورت خدیجہؓ کی زندگی میں ہمارے گھر آتی تھی اور تعلق نبھانا بھی ایمان کا حصہ ہے۔'' (مستدرک حاکم جلد1 ص62)

فتح حنین کے بعد ایک لڑکی نے آ کر عرض کیا یا رسول اللہؐ! میں آپؐ کی رضاعی بہن شیماء ہوں۔ رسول کریمؐ نے کمال محبت سے اپنی چادر اس کے لئے بچھا دی اور فرمایا جو چاہے مانگو اور جس کی سفارش کرو قبول کی جائے گی۔ (دلائل النبوۃ للبیھقی جلد5 ص272)

حضرت سائبؓ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضرت عثمانؓ مجھے ہمراہ لے کر رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تعارف میں کچھ تعریفی کلمات کہنے لگے تو آپؐ نے فرمایا سائبؓ کے بارے میں تم بے شک مجھے کچھ زیادہ نہ بتاؤ۔ میں اسے زمانہ جاہلیت سے جانتا ہوں کہ یہ میرا دوست رہا ہے۔ (مسند احمد جلد 3 ص425)

فتح مکہ اور انصار مدینہ سے وفا

جب مکہ کی عظیم الشان فتح سے خدا کا رسولؐ اور جماعت مومنین خوش ہو رہے تھے عین اس وقت ایک عجیب جذباتی نظارہ دیکھنے میں آیا۔ ہوا یوں کہ کچھ عشاقِ رسولؐ

انصارِ مدینہ کے دلوں میں یہ وسوسے جنم لے رہے تھے۔ ان کے دل اس وہم سے بیٹھے جارہے تھے کہ ہمارے آقاؐ مکہ کی فتح کے بعد کہیں اپنے اس وطن مالوف میں ہی مستقل قیام نہ فرمالیں۔ یہ وساوس قلب ودماغ سے نکل کر زبانوں پر آنے لگے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے جس محبت ورأفت کا سلوک فرمایا ہے اس سے وطن کے ساتھ آپؐ کی محبت بھی ظاہر ہے۔ اگر یہ محبت غالب آگئی اور آپؐ یہیں رہ گئے تو ہمارا کیا ٹھکانہ ہوگا۔ کہتے ہیں عشق است ہزار بدگمانی۔ دراصل یہ وسوسے انصار مدینہ کے عشق صادق کے آئینہ دار تھے۔ کمزوری اور مظلومی کے زمانہ کے ان ساتھیوں کے ٹوٹے دلوں کی ڈھارس بھی ضروری تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی انصار کی ان قلبی کیفیات سے اطلاع فرمائی۔ آپؐ نے انصار مدینہ کا ایک الگ اجتماع کوہ صفا پر طلب فرمایا اور ان سے مخاطب ہوئے کہ کیا تم لوگ یہ باتیں کررہے ہو کہ محمدؐ پر اپنے وطن اور قبیلے کی محبت غالب آگئی ہے؟ انصار نے سچ سچ اپنے خدشات بلاکم وکاست عرض کردیئے۔ تب خدا کے رسولؐ نے اطمینان دلاتے ہوئے بڑے جلال سے فرمایا کہ اگر میں ایسا کروں تو دنیا مجھے کیا نام دے گی؟ میں پوچھتا ہوں مجھے بتاؤ تو سہی کہ بھلا دنیا مجھے کس اچھے نام سے یاد کرے گی؟ اور میرا نام تو محمدؐ ہے یعنی ہمیشہ کیلئے تعریف کیا گیا۔ تم مجھے کبھی بے وفا نہیں پاؤ گے۔ بے شک میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ وہ وطن جو میں نے خدا کی خاطر چھوڑا تھا اب میں لوٹ کر کبھی اس میں واپس نہیں آسکتا ہوں۔ اب میں تمہارا جیون مرن کا ساتھی بن چکا ہوں۔ میرے مکہ میں رہ جانے کا کیا سوال؟ اب تو سوائے موت کے مجھے کوئی اور چیز تم جیسے وفاداروں اور پیاروں سے جدا نہیں کرسکتی۔

انصار مدینہ جو جذباتِ عشق سے مغلوب ہوکر ان وساوس میں مبتلا ہوئے تھے سخت نادم اور افسردہ ہوئے کہ ہم نے ناحق اپنے آقا کا دل دکھایا۔ پھر کیا تھا وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ خدا کی قسم! ہم نے جو یہ بات کی تو محض خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ پیار کی وجہ سے کی تھی کہ اس سے جدائی ہمیں گوارا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان وفادار ساتھیوں کو دلاسا دیا اور فرمایا اللہ اور رسول تمہارے اس عذر کو قبول کرتے ہیں۔ اور تمہیں مخلص اور سچا قرار دیتے ہیں۔ (مسلم (33) کتاب الجهاد باب31)

جس طرح فرد کے فرد کے ساتھ خوشگوار تعلقات معاشرہ کے امن واستحکام کی ضمانت ہیں۔ اسی طرح ایک گھرانے کے گھرانے سے محبت بھرے تعلقات کے نتیجہ میں بھی ماحول میں وحدت پیدا ہوتی ہے۔ رسول کریمؐ نے اس پہلو سے ہمسایوں سے حسن سلوک کی تعلیم دے کر اس مضمون کو بہت وسیع کردیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ”چالیس گھروں تک ہمسایہ کا حق ہوتا ہے۔“

تمام دنیا جو محمد مصطفیؐ سے منسوب ہوتی ہے۔ آپؐ سے محض حق ہمسائیگی ادا کرنا ہی سیکھ لے اور اس بارہ میں آپؐ کی تعلیم پر عمل پیرا ہو تو ایک فرد اپنے ساتھی کا خیال رکھے، ہر گھرانہ اپنے ہمسایہ گھرانے کا خیال رکھے پھر ایک محلّہ ہمسایہ محلے کا، ایک شہر ہمسایہ شہر کا اور ایک ملک ہمسایہ ملک کے حقوق ہمسائیگی کا خیال رکھے تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔ الغرض حق ہمسائیگی کے بارہ میں نبی کریمؐ کی تعلیم بے نظیر ہے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک اچھے دوست وہ ہیں جو اپنے دوست کے لئے بہتر ہیں۔ اور بہترین ہمسائے اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو اپنے ہمسائے کے لئے بہتر ہیں۔ (سنن ترمذی (28) کتاب البر والصله باب28)

نیز فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے اپنے ہمسایوں میں محبوب بنادیتا ہے۔ (مسند احمد جلد4ص200)

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے تھے کہ ”رسول کریمؐ نے مجھے نصیحت فرمائی کہ جب سالن کا شوربہ بناؤ تو پانی زیادہ ڈال لیا کرو۔ اپنے ہمسایوں میں سے کسی کو تحفہ بھجوادو۔“ (مسلم (46) کتاب البرو الصلة والادب باب42)

رسول کریم ﷺ نے بڑی تفصیل سے ہمسائے کے حقوق بیان کئے اور فرمایا جو شخص اپنا دروازہ اپنے ہمسائے پر بند رکھتا ہے کہ اس کے اہل یا مال کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے تو وہ مومن نہیں ہے اور وہ بھی مومن نہیں جس کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہیں۔ جانتے ہو ہمسائے کا حق کیا ہے؟ جب پڑوسی کوئی مدد طلب کرے تو اس کی مدد کرو۔ جب وہ قرض مانگے تو اسے قرض دو۔ جب اسے کوئی حاجت ہو تو وہ پوری کرو۔ جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔ جب اسے کوئی خوشی پہنچے تو مبارکباد دو۔ جب اسے کوئی رنج پہنچے تو اس سے تعزیت کرو۔ جب اس کی وفات ہو تو جنازہ میں شامل ہو۔ اپنے مکان کی دیواریں اتنی اونچی نہ کرو کہ ہمسائے کی ہوا رک جائے۔ ہاں اس کی رضامندی سے ایسا کرسکتے ہو۔ اپنی ہنڈیا کی خوشبو سے اس کا دل نہ دکھاؤ بلکہ اسے بھی کچھ سالن بھجوادو۔ اگر پھل خریدو تو اس میں سے بھی تحفہ بھجواؤ نہیں دے سکتے تو پھر گھر میں خاموشی سے وہ پھل لے جاؤ۔ تمہارے بچے وہ پھل لے کر باہر نہ جائیں مبادا اس کے بچوں کی دلآزاری ہو۔ (الترغیب والترهیب للمنذری جلد3ص357،358)

رسول کریمؐ نے اپنے نمونہ سے ہمیں یہ سبق دیا کہ اگر کوئی شخص ہمسائے کا حق ادا نہیں کرتا تو پورے معاشرہ کو اس مظلوم کے حق میں جہاد کرنا چاہئے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص رسول کریمؐ کی خدمت میں اپنے پڑوسی کی شکایت لے کر حاضر ہوا پہلے تو آپؐ نے فرمایا صبر کرو۔ وہ دوسری دفعہ آیا تو بھی آپؐ نے صبر کی تلقین فرمائی۔ تیسری مرتبہ اس

کا پیمانہ صبر لبریز دیکھ کر رسول کریم ﷺ نے اس کے ہمسائے کی اصلاح کا عمدہ طریق تجویز کیا۔ آپؐ نے اس مظلوم ہمسائے کو فرمایا کہ اپنے گھر کا سامان نکال کر باہر رکھ دو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ لوگوں کے پوچھنے پر وہ انہیں بتاتا کہ ہمسایہ زیادتی کرتا ہے۔ تمام لوگ اس ظالم ہمسائے کو لعنت ملامت کرنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ تنگ آ کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ لوگوں نے مجھ پر لعنت ملامت کی حد کر دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ اس سے پہلے تم پر لعنت کر چکا ہے۔ وہ معافی کا طلبگار ہوا کہ اب ہمسائے کو تنگ نہیں کرونگا۔ پھر اپنے ہمسائے سے بھی عہد کیا اور کہا کہ آئندہ تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ اس پر رسول کریمؐ نے بھی دوسرے ہمسائے سے فرمایا ٹھیک ہے اب سامان اندر رکھ لو۔ اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ شخص مومن نہیں ہے جو خود تو سیر ہو کر کھالیتا ہے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہتا ہے۔ (مستدرک حاکم والترغیب والترھیب للمنذری جلد3 ص355)

رسول کریمؐ اپنے ہمسایوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ آپؐ کے ہمسایوں میں مسجد نبوی کے وہ فاقہ کش درویش بھی تھے۔ جو مسجد کے ایک چبوترے پر بسیرا رکھتے اور اصحاب صُفّہ کہلاتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بھی ان میں سے تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول کریمؐ نے میرے چہرہ سے بھوک کے آثار محسوس کئے۔ مجھے اپنے ہمراہ گھر لے گئے۔ آپؐ کو دودھ کا ایک پیالہ مل گیا۔ مجھے فرمایا کہ جاؤ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں یہ وہ لوگ تھے جن کا اپنا کوئی گھر بار نہ تھا۔ رسول کریمؐ کے پاس جب بھی صدقہ آتا تو انہیں عطا فرماتے یا کوئی تحفہ آتا تو انہیں ضرور اس میں شریک کرتے۔ یہ گویا مسلمانوں کے مستقل مہمان تھے۔ (مجمع الزوائد لھیثمی جلد8 ص538، مستدرک حاکم جلد3 ص17)

ابو ہریرہؓ کو ان سب کو بلاتے ہوئے یہ فکر دامنگیر تھی کہ دودھ کا ایک پیالہ ان سب کو کیسے کفایت کرے گا؟ مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی برکت ڈالی کہ سب نے سیر ہو کر پیا بلکہ بچ بھی گیا۔ (بخاری(84) کتاب الرقاق باب17)

اصحابِ صُفّہ کے ایک اور فاقہ کش درویش ابوعبداللہ بن طہفہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مہمان زیادہ تھے۔ انصار مدینہ ان سب کو گھروں میں لے گئے۔ صرف ہم پانچ آدمی بچ رہے جن کو رسول کریمؐ اپنے گھر لے گئے اور جو تھوڑا سا کھانا آپؐ کی افطاری کے لئے تیار تھا اس میں ہم پانچوں مہمانوں کو شریک فرمایا۔ (مسند احمد جلد5 ص426 دار الفکر العربی)

انہی درویشوں میں مقدادؓ بن اسود اور ان کے دو ساتھی بھی تھے۔ جن کو رسول کریمؐ نے اپنے پڑوس میں رہنے کے باعث مستقل مہمان رکھ لیا تھا۔ اور ایک عرصہ تک وہ حضورؐ کی تین بکریوں کے دودھ میں آپؐ کے ساتھ شریک ہو کر حق ہمسائیگی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

(مسلم(37) کتاب الاشربۃ باب 32)

رسول کریمؐ مسلمان خواتین کو بھی تاکید فرماتے تھے کہ کوئی پڑوسن کسی دوسری کو معمولی تحفہ خواہ بکری کے پائے کا ہو دینے میں دریغ نہ کرے۔ (صحیح بخاری(81) کتاب الادب باب30)

اس تعلیم پر سب سے پہلے خود رسول اللہؐ اور آپؐ کے اہل خانہ عمل کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ استفسار کیا کہ یا رسول اللہؐ میرے دو ہمسائے ہیں۔ دونوں میں سے ایک کو تحفہ دینا ہو تو کسے دوں؟ فرمایا ''جو ہمسایہ تمہارے دروازے کے زیادہ قریب ہے۔''

(صحیح بخاری(41) کتاب الشفعۃ باب3)

ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک بلا امتیاز مذہب وملت لازم ہے۔ صحابہ رسولؐ نے سنت نبویؐ کے یہ پاکیزہ نمونے خوب اپنائے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر کے بارہ میں روایت ہے کہ جب وہ کوئی جانور یا بکری وغیرہ ذبح کرواتے تو پوچھتے کہ ہمارے یہودی ہمسائے کو بھی گوشت کا تحفہ بھجوایا کہ نہیں؟ نیز فرماتے رسول اللہ ﷺ نے ہمسائے کا بڑا حق قائم فرمایا ہے۔

(سنن ابی داؤد(42) کتاب الادب باب 133)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہؐ! ایک عورت ہے یوں تو اس کی نیکی نماز روزہ اور صدقہ وغیرہ کا بہت چرچا ہے بس اس میں ایک خامی ہے۔ وہ اپنے ہمسائے کو ایذا پہنچاتی ہے۔ رسول کریمؐ نے فرمایا کہ ''وہ آگ میں ہے'' پھر اس نے ذکر کیا کہ یا رسول اللہؐ! ایک اور عورت ہے وہ نماز، روزہ اور صدقہ میں تو کمزور ہے مگر وہ پنیر وغیرہ صدقہ کرتی رہتی ہے اور ہمسایوں کا خیال رکھتی ہے انہیں برا بھلا نہیں کہتی۔ رسول کریمؐ نے فرمایا

''وہ جنت میں ہے۔''

(مسند احمد جلد1 ص440، ابن ماجہ(22) کتاب الوصایا باب3)

یہ وہ پاکیزہ معاشرہ ہے جو نبی کریمؐ انفرادی یا گھریلو سطح پر قائم فرمانا چاہتے تھے۔ اور اسی معاشرہ کا قیام ہم سب کا مطمح نظر ہونا چاہئے۔

☆......☆

جماعت احمدیہ اور ناموس رسالت ﷺ

حارث احمد راجہ، سلور سپرنگ، میری لینڈ

بعد از خدا بعشق محمد مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

یہ شعر مولانا روم کی مثنوی معنوی یا بوستان سعدی کا نہیں بلکہ اس شخص کے قلم سے نکلا جسے خدا تعالیٰ نے سلطان القلم کہا پر اس کے اول مخاطبین نے اسے واقعی میں کافر سمجھا۔ وہ جسے زمانے کے لئے حکم وعدل بنا کر بھیجا گیا پر زمانے والوں نے اس کے پیغام کو سننے سے یکسر انکار کر دیا۔ اس معاملہ کی مثال ہمیں فرقان مجید میں حضرت موسیٰؑ سے متعلق ایک واقعے کی صورت میں ملتی ہے۔ جب ایک شخص نے لوگوں سے کہا تم اس مرسل کی بات کو سن تو لو اگر یہ جھوٹا ہوا تو اس کا وبال اسی پر جا پڑے گا لیکن اگر یہ سچا ہوا تو تم پر اس کو نہ ماننے کی وجہ سے پکڑ ہوگی۔

بانی جماعت احمدیہ مرزا غلام احمد صاحبؑ قادیانی کے دعاوی کی صداقت پر بحث کرنا میرا موضوع نہیں ہے۔ میرا مقصد اس الزام کے متعلق کچھ کہنا ہے جس کی بنیاد پر جماعت احمدیہ کے افراد کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور وہ الزام یہ ہے کہ احمدی نعوذ باللہ ناموس رسالت کا پاس نہیں کرتے۔ اس الزام کی ایک بڑی وجہ عوام الناس کی حقیقت حال سے ناواقفیت ہے۔ پاکستان کے قانون کے مطابق جماعت احمدیہ پر اپنے صحیح عقائد کو لوگوں تک پہنچانے کی پابندی ہے جبکہ معترضین کو جماعت احمدیہ کے عقائد کی غلط تصویر عوام کے سامنے پیش کرنے کی کھلی اجازت ہے۔ اس ون وے ٹریفک کے نتیجے میں ایک فریق پر جھوٹے اور بے بنیاد اعتراضات کی بوچھاڑ کی جاتی ہے اور جوابی کارروائی کی کوئی صورت نہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ ممبروں اور لاؤڈ سپیکروں کی مدد سے نہتے اور پر امن شہریوں کے خلاف اشتعال انگیزی کی جاتی ہے اور لوگوں کو ظلم پر ابھارا جاتا ہے جس کے نتیجے میں معصوم جانوں کا نقصان اب ہمارے ملک کا معمول بن گیا ہے۔

آج سے دو سال قبل 28 مئی 2010 کو لاہور کی دو احمدی مساجد میں دہشت گردوں نے گھنٹوں خون کی ہولی کھیلی اور جمعہ کی نماز کے لئے اکٹھے ہونے والوں پر گولیوں اور گرنیڈوں کی بارش برسائی۔ سسک سسک کر جام شہادت نوش کرنے والوں کی زبانیں اسی نبی ﷺ کے درود سے تر تھیں جس کی ناموس کے نام پر یہ ظلم وبربریت کی داستان لکھی گئی۔ آخر ان جان دینے والوں کا حقیقی مذہب تھا کیا؟ کیا وہ واقعی سرور کائنات فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء ﷺ کی ناموس کا پاس نہیں کرتے؟

مضمون کی طوالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں قارئین کی خدمت میں صرف چند ایسے حقائق رکھنا چاہتا ہوں جن کو دیکھنے سے اہل انصاف پر یہ ظاہر ہوگا کہ جماعت احمدیہ کی تعلیم اور عمل کسی پہلو سے بھی ناموس رسالت کے منافی نہیں بلکہ عین اسلامی ہے۔ عقیدہ کے لحاظ سے جماعت احمدیہ کلمہ توحید یعنی **لآ الٰہ اِلّا اللّٰہ محمدٌ رسول اللہ** پر پورا ایمان رکھتی ہے اور آنحضرت ﷺ سے محبت اور آپ ﷺ کی پیروی کو دل وجان سے جزو ایمان سمجھتی ہے۔

1) جب بھی کوئی شخص مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی جماعت میں داخل ہوتا ہے تو اس کے لئے دس شرائط بیعت ہیں۔ شرک اور فسق وفجور سے بچنے کے بعد تیسری شرط یہ ہے:

''یہ کہ بلا ناغہ پنج وقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا۔ اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا۔ اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو اپنا ہر روزہ ورد بنائے گا۔''

نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا ایک احمدی مسلمان کی تعریف میں شامل ہے اور آپ ﷺ کے بتائے ہوئے طریق پر پنج وقتہ نماز کا التزام کرنا جس میں دن میں متعدد بار خدا کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دی جاتی ہے ایک احمدی مسلمان پر فرض ہے۔ لاہور میں جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے ان احمدی مسلمانوں کا درود پڑھنا ان کے حقیقی ایمان کی تصویر کشی کرتا ہے۔

2) بانی جماعت احمدیہ نے سلسلہ کی تعلیم وتربیت کے پیش نظر ایک سالانہ جلسے کا آغاز کیا۔ اس جلسہ میں شرکت ایک احمدی مسلمان کے لئے جہاں بہت سی برکتوں کا موجب ہوتی ہے وہاں اس کی تجدید بیعت کا بھی ذریعہ ہے۔ جماعتی نظام میں جلسہ سالانہ کو ایک

مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس جلسہ کی اطلاع کے لئے بانی جماعت احمدیہ نے جو اعلان تحریر کیا اس کا ابتدائی حصہ درجہ ذیل ہے۔

’’تمام مخلصین داخلین سلسلہ بیعت اس عاجز پر ظاہر ہو کہ بیعت کرنے سے غرض یہ ہے کہ تا دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو اور اپنے مولیٰ کریم اور رسول مقبول ﷺ کی محبت دل پر غالب آجائے۔‘‘

یہ الفاظ کسی بھی احمدی مسلمان کے لئے جلسہ سالانہ کی اصل غرض و غایت کو سمجھنے کی بنیاد ہیں۔ دنیا بھر میں ہر سال مختلف ممالک میں بسنے والے احمدیوں کی جلسہ سالانہ میں شمولیت اس بات کی عملی دلیل ہے کہ وہ رسول مقبول ﷺ کی محبت دل میں غالب کرنے کو اپنے نظام کی ایک مرکزی اینٹ تصور کرتے ہیں۔ احمدیوں پر یہ الزام کہ وہ ناموس رسالت کے منکر ہیں سراسر بے بنیاد ہے، ناموس رسالت کا انکار دراصل احمدیت کا انکار ہے۔

3) خلافت جماعت احمدیہ کا طرۂ امتیاز اور اس کے وجود کی جان ہے۔ جماعت احمدیہ کے مطابق خلافت وہ نعمت عظمیٰ ہے جو افراد جماعت کو ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہے۔ جماعت احمدیہ کی بقا اور ترقی خلافت کی برکت سے ہے۔ خلیفۂ وقت جماعت کا روحانی سربراہ ہے جس کی پیروی ہر احمدی مسلمان کا فرض ہے۔ آیئے دیکھیئے کہ 2008ء میں خلافت کے سو سال پورے ہونے پر جماعت احمدیہ کے موجودہ سربراہ مرزا مسرور احمد صاحب نے جماعت کے افراد سے کیا عہد لیا۔

’’آج خلافت احمدیہ کے سو سال پورے ہونے پر ہم اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ ہم اسلام اور احمدیت کی اشاعت اور محمد رسول اللہ ﷺ کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لئے اپنی زندگیوں کے آخری لمحات تک کوشش کرتے چلے جائیں گے۔ اور اس مقدس فریضہ کی تکمیل کے لئے اپنی زندگیاں خدا اور اس کے رسول ﷺ کے لئے وقف رکھیں گے۔۔۔ اپنی اولاد در اولاد کو ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے اور اس کی برکات سے مستفید ہونے کی تلقین کرتے رہیں گے تاکہ قیامت تک خلافت احمدیہ محفوظ چلی جائے اور قیامت تک سلسلہ احمدیہ کے ذریعے اسلام کی اشاعت ہوتی رہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا دنیا کے تمام جھنڈوں سے اونچا لہرانے لگے۔‘‘

عصبیت کی عینک اتار کر اس عہد کو پڑھنے والوں کو اس کا حرف حرف عشق رسول ﷺ میں ڈوبا ہوا ملے گا۔ یہ وہ پیغام ہے جو جماعت احمدیہ کے سربراہ نے جماعت احمدیہ عالمگیر کو دیا جس کے ہر جملہ کی تان اس بات پر ٹوٹتی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان بلند ہو اور خدا تعالیٰ کا **ورفعنالک ذکرک** کا وعدہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حق میں پورا ہو۔ یہ ناموس رسالت کی پاسداری نہیں تو اور کیا ہے؟

آخر پر میں بانی سلسلہ احمدیہ کا ایک اقتباس جو آپ کی کتاب برکات الدعاء سے لیا گیا ہے درج کرتا ہوں۔ اس سے قارئین پر واضح ہو گا کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ؑ نے اپنے بھیجے جانے کی اصل غرض کیا بیان کی ہے۔

’’میں اس وقت محض للہ اس ضروری امر سے اطلاع دیتا ہوں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اس چودھویں صدی کے سر پر اپنی طرف سے مامور کر کے دین متین اسلام کی تجدید اور تائید کے لئے بھیجا ہے تاکہ میں اس پر آشوب زمانہ میں قرآن کی خوبیاں اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی عظمتیں ظاہر کروں۔‘‘

جماعت احمدیہ کی پوری تاریخ اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ احمدی آنحضرت ﷺ سے سچی محبت رکھتے ہیں اور بانی سلسلہ احمدیہ کی پیروی میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ اگر کوئی ہمیں خدا کے بعد عشق رسول ﷺ میں مخمور ہو جانے سے کافر سمجھتا ہے تو بخدا ہم سخت کافر ہیں۔

اَے شاہِ مکّی و مدنی سیّدالوریٰؐ

بزبان حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

منظوم کلام حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ

اے شاہِ مکّی و مدنی ، سیدُالوریٰؐ تجھ سا مجھے عزیز نہیں کوئی دوسرا
تیرا غلامِ دَر ہوں، ترا ہی اسیرِ عشق تو میرا بھی حبیب ہے، محبوبِ کبریا
تیرے جِلَو میں ہی مِرا اٹھتا ہے ہر قدم چلتا ہوں خاکِ پا کو تیری چُومتا ہوا
تو میرے دل کا نُور ہے، اَے جانِ آرزو روشن تجھی سے آنکھ ہے، اے نیّرِ ہُدیٰؐ
ہیں جان و جسم، سو تری گلیوں پہ ہیں نِثار اولاد ہے، سو وہ ترے قدموں پہ ہے فِدا
تو وہ کہ میرے دل سے جگر تک اتر گیا مَیں وہ کہ میرا کوئی نہیں ہے ترے سِوا

اے میرے والے مصطفیٰؐ، اے سیّد الوریٰؐ
اے کاش ہمیں سمجھتے نہ ظالم جُدا جُدا

آزاد تیرا فیض زمانے کی قید سے برسے ہے شرق و غرب پہ یکساں ترا کرم
تُو مشرقی نہ مغربی اے نورِ شَش جہات تیرا وطن عرب ہے، نہ تیرا وطن عجم
تُو نے مجھے خرید لیا اِک نگہ کے ساتھ اب تو ہی تو ہے تیرے سِوا میں ہوں کالعدم
ہر لحظہ بڑھ رہا ہے مِرا تجھ سے پیار دیکھ سانسوں میں بس رہا ہے ترا عشق دم بدم
میری ہر ایک راہ تری سَمت ہے رواں تیرے سوا کسی طرف اٹھتا نہیں قدم
اے کاش مجھ میں قوتِ پرواز ہو تو مَیں اُڑتا ہوا بڑھوں، تری جانب سُوئے حرم
تیرا ہی فیض ہے کوئی میری عطا نہیں ''ایں چشمہء رواں کہ بخلقِ خدا دِہم

یک قطرۂ زِبحر کمالِ محمدؐ است
جان و دِلم فدائے جمالِ محمدؐ است
خاکم نثارِ کُوچہ آلِ محمدؐ است''

جنابِ رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رسالت

لطف الرحمٰن محمود

عظیم الشان روحانی ارتقاء کا عدیم المثال مہبط

570ء میں حضرت نبی کریم ﷺ کی ولادتِ باسعادت سے کُرّۂ ارض کو سب سے بڑی برکت اور نعمت عطا کی گئی۔610ء میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم خلعتِ نبوت سے سرفراز کئے گئے اور اس عظیم منصب کی تمام ذمہ داریاں کامیابی سے ادا کرنے کے بعد ربِّ کریم سے الیوم اکملتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی سندِ امتیاز حاصل کرنے کے بعد 632ء میں رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ بعثت سے وصال تک کے 23 سال کے عرصے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے افضال و برکات کی موسلا دھار بارش جاری رہی۔حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے مناقب وفضائل میں تسلسل سے اضافہ ہوتا رہا۔قرآن مجید پر طائرانہ نگاہ ڈالنے سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیّبہ کا یہ پہلو ایک کثیر الجہات چمکتے ہوئے ہیرے کی صورت میں ایک بے مثل وجود کے طور پر سامنے آجاتا ہے۔ بعثت کے سال یعنی 610ء میں نازل ہونے والی سورۃ اَلْقَلَمْ میں حضورؐ کے خُلقِ عظیم (انّک لعلٰی خُلُقٍ عَظِیْم آیت 5) کا اعلان کردیا گیا۔اس اعلان میں پیشگوئی کا رنگ موجود ہے اور سیرتِ نبویؐ کو سمجھنے کی کلید بھی ہے۔اس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت کی تمام پیغمبرانہ خصوصیات استقلال،مشکلات پر صبر، توکل علی اللہ، ابلاغِ حق کیلئے جرأت،مخلوق سے ہمدردی کا گویا ذکر کردیا گیا۔اور پھر ان تمام صفات پر ''اوّل المؤمنین'' ہونے کی مُہر بھی ثبت ہے۔

سورۃ الضُّحیٰ 611ء میں نازل ہوئی۔اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عظیم الشان بشارت سے نوازا گیا ہے جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے۔حضورؐ کو فقید المثال مستقبل کی ضمانت دیتے ہوئے کہا گیا ہے:

وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی (آیت 5) یعنی سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر آنے والا لمحہ گزر جانے والے لمحے سے بہتر اور افضل ہوگا۔یہ ایک ایسا معجزہ تھا جو تسلسل سے ظاہر ہوتا چلا گیا۔615ء میں نازل ہونے والی سورۃ الانبیاء کی آیت 108 میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''رحمۃ للعالمین'' کا خطاب عطا فرمایا گیا۔اسی آیت سے اس مضمون کا عنوان اخذ کیا گیا ہے۔اُسی سال سورۃ النجم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند و بالا رُوحانی مقام اور قربِ الٰہی کی تصویری زبان میں ایمان افروز منظر کشی کی گئی۔حضورؐ کی شخصیت کو دو کمانوں سے تشبیہہ دے کر ان کے مقامِ اتصال یعنی وتر کا سینار یو پیش کیا گیا ہے۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی O فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی O

(سورۃ النجم آیات 10,9)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق، امام الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تصانیف میں اس کی پُر معارف تشریح فرمائی ہے۔رُوح کی سیرابی کیلئے درج ذیل مقامات کا مطالعہ فرمائیے:

سُرمہ چشم آریہ روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 275,274 اعجاز المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 109،

سورۃ سبا 616ء یا 617ء میں نازل ہوئی۔ اس میں اسلام کے عالمگیر مشن کے حوالے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کَآفَّةً لِّلنَّاس کہہ کر یاد فرمایا گیا (آیت 29)۔ ہجرت مدینہ سے ایک آدھ سال قبل نازل ہونے والی سورۃ الاعراف کی آیت 158 میں اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا کہہ کر ایک بار پھر اسی حقیقت کا بانگ دہل اعلان کیا گیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام عالمگیر اور ابدی ہے اور عرب و عجم، اسود و احمر غرضیکہ تمام اولادِ آدم کے لئے ہے۔ پھر مدنی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کو تبلیغی خطوط بھجوا کر اس پر مہر تصدیق فرمادی۔ 624ء میں جنگ بدر کے موقع پر ایک معجزے کا ذکر سورۃ الانفال کے ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (آیت 18)۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی حرکت کو دستِ خداوندی کی جنبش قرار دیا گیا ہے۔ 628ء میں صلح حدیبیہ سے واپسی پر سورۃ الفتح میں بیعتِ رضوان کے حوالے سے ایک مرتبہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کو دستِ خداوندی پر بیعت قرار دیا گیا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ط یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (آیت 11) جنگ خندق کے بعد نازل ہونے والی سورت الاحزاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو متعدد خطابات والقاب سے نوازا گیا ہے۔

آیت 22 میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ آیت 31 میں "خاتم النبیین" کے ارفع و اعلیٰ مقام پر فائز کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ایک ارشاد ہے کہ اس ختم نبوت کی ابتدا اس وقت ہوئی جب آدم علیہ السلام کا خمیر ابھی مٹی گارے کے مراحل میں تھا۔ آیت 47 میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سِرَاجًا مُّنِیْرًا اور داعیاً الی اللہ کے خطابات سے نوازا گیا۔ اسی سورت کی آیت 57 میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانی عظمت اور قربِ الٰہی کی عجیب شان کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے اس نازشِ انسانیت پر درود بھیجتے ہیں اور حکم دیا گیا ہے کہ اہلِ ایمان بھی اسی محبت و تعلق کا اظہار کریں۔

حضرت رسول کریم ﷺ کے وصال سے ایک سال قبل 630 تا 631ء میں نازل ہونے والی سورۃ التوبہ میں حضورؐ کی قلبی کیفیت کی عکاسی کی گئی ہے۔ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (آیت 129) رؤف اور رحیم اللہ تعالیٰ کے اسمائے الحسنیٰ ہیں مگر یہاں ہمدردیٔ خلق کے حوالے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت، شفقت اور رافت کا روحانی X-Ray پیش کیا جا رہا ہے۔ صفاتِ نبویؐ کے اس معطر گلدستہ سے رحمۃ للعالمین کی سیرت طیبہ کے ادراک و تفہیم میں مدد ملتی ہے۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے قول 'کَانَ خُلُقُہُ الْقُرآن' کا بھی یہی مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں موجود، زندہ و پائندہ معلّمِ قرآن، دراصل ایک قرآن مجسّم تھا جو حجازِ مقدس کے کوہ دمن اور وادیٔ وصحرا میں نُور، خوشبو اور ابدی زندگی کی نعمت بانٹتا رہا۔ ہر نبی اور رسول اپنی اپنی اُمّت کے لئے اسوہ ہی ہوتا ہے مگر اُسوۂ حسنہ کی معراج بھی، تاقیامِ قیامت، حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو نصیب ہوئی۔ آسمانی وحی کی شہادت سے مزیّن، یہ عدیم المثال رُوحانی ارتقاء بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی امتیازی خصوصیت ہے۔

وجودِ رحمۃ للعالمینؐ سے وابستہ رحمتوں کا وسیع دائرہ

ایک مرتبہ پھر سورۃ الانبیاء کے ان الفاظ پر غور فرمائیے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (آیت 108)۔ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "رحمۃ للعالمین" کے لقب سے یاد فرمایا گیا ہے۔ یعنی سب جہانوں کے لئے رحمت، سب لوگوں کے لئے رحمت، سب طبقات کے لئے رحمت۔ یہ امر واقع ہے کہ رحمۃ للعالمین کی بے پایاں رحمت کے وسیع دائرے میں سب موجود ہیں۔ ایک طرف فرشتوں کی غیر مرئی مخلوق اس میں شامل ہے تو دوسری طرف باقی سب جاندار چوپائے، چرندے، درندے، پرندے، کیڑے مکوڑے بھی نظرِ کرم سے محروم نہیں رہے۔ انسان کہلانے والے تمام طبقات جو حیطۂ ادراک میں آتے ہیں، اُن سب تک حضورؐ کا فیض پہنچا ہے۔ انسانوں میں سب سے افضل طبقہ، زمرۂ انبیاء و مرسلین ہے، اُن پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کی پھوار پڑ رہی ہے۔ قارئین کو دعوتِ عام ہے غور فرمائیے۔ کسی بھی انسانی طبقہ کی نشان دہی کیجئے آپ اُسے احسانِ محمدیؐ کا زیر بار پائیں گے۔ انسانی معاشرے کا نصف حصہ، طبقۂ نسواں، ہزاروں سال سے معاشرے کے مظالم کا شکار چلا آیا ہے، بلکہ اب بھی ہے، عہدِ حاضر نے صرف اپنے استحصال کے انداز، لہجے اور پیمانے بدل لئے ہیں، بلا مبالغہ حوا زادیوں کے محسنِ اعظم حضورؐ ہی ہیں۔ پھر غلامی (Slavery) کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کی خونچکاں مظلومیت سے خود تاریخِ انسانی شرمندہ ہے۔ تعلیم و تعلّم کے شعبے سے متعلق

طلبہ اور اساتذہ، مزدور اور محنت کش طبقہ بھی استحصال اور استبداد کا شکار رہا ہے بلکہ بعض ممالک میں اب بھی ہے۔ ''ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات''۔ ان طبقات کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سیرتِ طیّبہ میں ایک حیات بخش پیغام رحمت، رواں دواں نظر آتا ہے۔ اب تک جنگ وجدل میں اسقدر خون بہایا جاچکا ہے، اگر وہ خشک نہ ہوجاتا تو آج اُس کا بحرِ بیکراں، دنیا کے نقشے پر موجود ہوتا! مقاتلوں، اسیروں، اور مغلوب دشمنوں، غرض ہر ایک تک فیض پہنچا اور اس میدان میں رحمت کا یہ مینارِ نور، تنہا تاریکیاں دُور کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ دنیا میں مذہبی عقاید ونظریات کی بوقلمونی موجود ہے مگر اکثریت نے ہمیشہ اقلیت کو کچلنے اور نابود کرنے کی کوشش کی ہے اور اس ظلم کو اپنا آسمانی اور زمینی حق سمجھا ہے۔ لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اسلوب، تعلیم اور اسوۂ سب سے جُدا اور الگ ہیں۔ رواداری کے یہ مناظر تاریخ ادیان کے نئے تجربات اور مشاہدات کا مقام رکھتے ہیں۔ دائرۂ آدمیت کا ایک اور طبقہ بھی ہے جسے رُوحانی اور مذہبی لحاظ سے نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے یعنی گُناہ گاروں کا طبقہ۔! زاہدانِ خُشک ان کے سائے سے بھی بدکتے ہیں۔ مذاہب وادیان نے اس گروہ سے دُوری اختیار کرنے میں عافیت سمجھی ہے مگر نبیِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مطہر نے اس مردود اور مقہور طبقے کے افسردہ بلکہ مُردہ دلوں میں امید کی کرن پیدا کی اور بخشش ونجات کی کُشادہ راہوں کی طرف راہ نمائی فرمائی۔

زیرِ نظر مضمون میں، اللہ تعالیٰ کی توفیق ارزانی سے، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت بے پایاں کی ایسی تجلیات کا ذکر یکجا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ربِّ رحیم اس عاجزانہ کوشش کو راقم الحروف کے سفرِ آخرت کے لئے توشۂ رحمت بنادے، آمین۔

فرشتوں کے لئے رحمت

ملائکہ یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کی خاص مخلوق ہیں جو انسانوں سے مختلف ہیں۔ مگر ان کی ''مظلومیت'' کا یہ عالم ہے کہ انسانوں نے انکے بارے میں کئی قسم کے غلط عقیدے تراش لئے۔ بعض لوگ قابل مذمت رویے اپنانے سے باز نہ آئے۔ قدیم عربوں کا خیال تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ''بیٹیاں'' ہیں۔ بائیبل میں تحریف کرنے والوں نے فرشتوں کو خوبصورت عورتوں کے عشق میں مبتلا کردیا۔ اور ان قصوں کی ابتداز مانۂ نوحؑ سے کی (پیدائش باب 6 آیات 6,2)

بعض نے ان داستانوں کو بابل تک بڑھایا اور فرشتوں کو جرمِ عشق کی سزا میں اس شہر کے اندھے کنویں میں اُلٹا لٹکا دیا۔ ان بے بنیاد افسانہ طرازیوں سے فرصت پانے کے بعد، بنی اسرائیل کے دانش وروں نے فرشتوں سے امتیازی سلوک کی ایک راہ نکالی۔ میکائیل (Michael) کو اپنا محبوب فرشتہ قرار دے دیا۔ بائیبل نے اس کی وجوہات کو بھی جنم دیا۔ کہا گیا کہ آلِ فرعون سے نجات پانے کے بعد، بنی اسرائیل کو صحرائے سینا میں میکائیل ہی راستہ دکھاتا رہا۔ (یہود کے مفسرین خروج کے ابواب 32,23 اور 33 میں مذکور فرشتے سے میکائیل ہی مراد لیتے ہیں) اسی طرح دانیال نبی کو ایران میں، قید کے دوران اسی فرشتہ کی تائیدات حاصل رہی ہیں۔ (دانیال باب 10 آیت 13)۔ پھر عرب کے یہود نے یہ کہہ کر، روح الامین جنابِ جبریل سے اس بنا پر بُغض اور کینہ پال لیا کہ وہ حضرت نبی کریم ﷺ پر کیوں وحی لے کر نازل ہوئے ہیں؟ (سورۃ البقرہ آیات 99,98)۔ رومن کیتھولک اور چرچ آف انگلینڈ کے عیسائی 29 ستمبر کو میکائیل کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ تقریب "Micheal mas" کہلاتی ہے۔

لوط علیہ السلام کی قوم کے لوگ ذہنی اور اخلاقی پستی کے حوالے سے ان یہود سے بدتر تھے۔ جنسی تلذُّذ اُن کے اعصاب پر سوار تھا۔ جب فرشتے حضرت لوطؑ کے پاس، خوبصورت نوجوانوں کی صورت میں، ان کی آزمائش وابتلاء کے لئے، بطور مہمان وارد ہوئے تو قوم لوطؑ کے اوباشوں نے بدنیتی سے، ان کی اقامت گاہ کا گھیراؤ کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ظالم قوم کو ایسی سخت سزا دی کہ ان کے مشہور شہروں سدوم اور گمورا کو تباہ کرکے نشانۂ عبرت بنادیا۔ ان منحوس شہروں کے نام دنیا کی ہر زبان کی ڈکشنری میں تو موجود ہیں مگر ان شہروں کا نام ونشان سطحِ ارض پر موجود نہیں!!

اب تصویر کا دوسرا رُخ ملاحظہ کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ رحمت کے دریا کی موجیں دیکھئے۔ قرآن وحدیث میں ملائکہ کے افعال اور فرائض کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ان کے مطالعہ سے فرشتوں کی افادیت اور اہمیت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ ایسی نافع الناس ہستیوں کے لئے دل میں پیار پیدا ہوتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ ان کا قرب، رفاقت اور زیارت میسّر آئے! فرشتوں کے ان کاموں کی چند مثالیں پیش ہیں۔ ملائکہ، اللہ تعالیٰ کی حمد وتسبیح میں مصروف رہتے ہیں۔ قضاء وقدر کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل درآمد کرتے ہیں۔ اہلِ ایمان کو نیک کاموں کی تحریک کرتے ہیں۔ مشکلات کے وقت ان کے دلوں کو تقویت دیتے ہیں، ان تک خوشخبریاں پہنچاتے ہیں۔ اس کے برعکس، کفّار اور دشمنانِ حق کے دلوں میں خوف اور مایوسی پیدا کرتے ہیں۔ عبادت گزاروں کے لئے دُعا کرتے ہیں، اس مقصد کے لئے ان کی دینی اور رُوحانی مجالس کا احاطہ کرلیتے ہیں۔

لوگوں کے اعمال لکھتے ہیں۔اہل زمین کے لئے آسمان سے برکتیں لے کرنازل ہوتے ہیں۔نبیوں،رسولوں اور ماموروں پر وحی لاتے ہیں،اللہ تعالیٰ کے اذن سے روحانی علوم اور معارف سکھاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کرتے ہیں۔کبھی کبھار ظالموں اور فاسقوں پر عذاب بھی نازل کرتے ہیں۔بعض لوگ اس قسم کے کاموں کو''معجزات'' سے تعبیر کرتے ہیں اوران میں فرشتوں کو شامل کرتے ہیں۔ .Time Inc کی ایک کتاب Angles and Miracles ایڈیشن 2009 میں بائیبل کی روایات کے مطابق ایسے 52 معجزات کا ذکر کیا گیا ہے۔ملائکہ چونکہ روحانی نظم ونسق کی آسمانی مشینری کا حصہ ہیں۔اس لئے دوزخ کی نگرانی بھی ان کے سپرد ہے۔یہ صرف چند کاموں کی مثال ہے۔فرشتے سراسر خیروبرکت کا باعث ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اُن پر ایمان لانے کو اسلام کے''ارکانِ ایمان''میں شامل کیا گیا۔اسی وجہ سے ہم امّتیوں کو فرشتوں سے پیار ہے۔فرشتہ صفت بننے کی آرزو ہے اور ہمہ وقت ان کی دعاؤں اور تائیدات کے طالب رہتے ہیں!!

انبیاءومرسلین کے لئے رحمت

انبیاءومرسلین انسانی وقار،تقدّس اور عظمتِ کردار کے بہترین نمونے ہوتے ہیں۔اس کے باوجود،ان مقدسین کے منکر اور مکذّب ان کی تحقیر اور توہین سے باز نہیں آتے۔قرآن مجید نے دشمنانِ دین کے ہاتھوں نبیوں اور رسولوں کے استہزاء کا ذکر فرمایا ہے۔(سورۃ یٰسٓ آیت 31)۔ایک مختلف قسم کا ظلم،ماننے والوں سے سرزد ہوا ہے۔یہ غلو اور مبالغہ آرائی کا ظلم ہے جس کے تحت ماننے والوں نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو اُن کا مقام بڑھا کر اُنہیں تختِ الوہیت پر بٹھا دیا۔ہندوؤں نے رام چندر جی اور کرشن مہاراج سے یہی سلوک کیا۔یہودیوں نے عزیر کو ابن اللہ بنا دیا اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو یہی مقام دیا بلکہ اُسے خدائی صفات کا شریک قرار دے کر تثلیث کا عقیدہ وضع کر لیا۔بعض نبی اپنے وقت کے بادشاہ بھی ہوئے۔مثلاً داؤد علیہ السلام اور اُن کے فرزند سلیمان علیہ السلام۔ان حضرات کے سیاسی حریفوں نے ان کی کردارکُشی کی مہمات چلائیں۔اس زہریلے پروپیگنڈے کے بداثرات ہمیں آج بھی محرّف ومبدّل بائبل میں نظر آجاتے ہیں۔حضرت لوطؑ اگرچہ بادشاہِ وقت نہ تھے مگر ان کی بدکرداراور رہزنی کی دلدادہ قوم نے ان کے خلاف اتہام تراشی کی جو کسی طرح بائیبل میں راہ پا گئی۔

حضرت نبی کریم ﷺ کی رحمت کا فیض ہے کہ''عصمتِ انبیاء'' کا عقیدہ آپ کے پیروکاروں کا ایک امتیازی عقیدہ ہے۔انبیاء پر ایمان ارکانِ ایمان میں شامل ہے۔تمام انبیاء پر ایمان لائے بغیر ایمان نامکمل رہتا ہے۔قرآن مجید نے تمام انبیاءومرسلین کے نفسِ نبوت پر بلاامتیاز،ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔ لَانُـفَـرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ(سورۃ البقرہ آیت 137) حضور ﷺ کے عظیم الشان مقام کا مختصر سا ذکر شروع میں آچکا ہے۔حضرت نبی کریم ﷺ نے ازراہِ انکسار فرمایا کہ مجھے یونسؑ اور موسیٰؑ پر فضیلت نہ دو۔حضورؐ نے دوسرے انبیاء کو اپنا''بھائی'' قرار دیا ہے۔یورپ کے''شُتر بےمُہار'' دانش ور صحافی اور ناول نویس بائیبل کے انبیاء پر سُوقیانہ حملے بھی کر لیتے ہیں۔انکے مجسمے اور فلمیں بنانے سے نہیں گھبراتے۔مگر مسلمان آج بھی دوسرے انبیاء کی تصاویر اور Paintings بنانے پر مشتعل ہو جاتے ہیں۔

طبقۂ نسواں کے لئے رحمت

طبقۂ نسواں پر حضرت نبی کریم ﷺ کی رحمت بے پایاں کا صحیح ادراک اُسی وقت ممکن ہے جب عورتوں کی مظلومیت کی بعض کیفیات کا مختصر سا ذکر موازنہ کے لئے کر دیا جائے۔ہمارے خطیب اور لکھنے والے،عام طور پر یہی کہتے ہیں کہ بعثتِ نبویؐ سے قبل،عرب کے بعض قبائل میں بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی بدرسم پائی جاتی تھی۔عرض ہے کہ عرب اور دوسرے ممالک میں اور بھی بہت کچھ ہوتا تھا اور ہوتا چلا آیا تھا۔سچ تو یہ ہے کہ عورتیں بہت سے حقوق سے محروم تھیں۔حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ نے اپنی ایک نظم میں جو اسی موضوع پر ہے،زمانۂ جاہلیت کی عورتوں کی حالتِ زار کا نقشہ کھینچا ہے ؎

کیا تیری قدروقیمت تھی؟ کچھ سوچ تیری کیا عزت تھی	تھا موت سے بدتر وہ جینا قسمت سے اگر بچ جاتی تھی
عورت ہونا تھی سخت خطا، تھے تجھ پر سارے جبر رَوا	یہ جرم نہ بخشا جاتا تھا، تا مرگ سزائیں پاتی تھی
گویا تُو کنکر پتھر تھی، احساس نہ تھا، جذبات نہ تھے	توہین وہ اپنی یاد تو کر، ترکہ میں بانٹی جاتی تھی

ماضی میں انفرادی طور پر کسی خوبصورت عورت کی شاعرانہ تعریف،یا کسی شہزادی،ملکہ،قیصرہ یا سلطانہ کی تکریم وتحسین کا یہ مطلب نہیں کہ سب عورتوں کو حقوق حاصل تھے یا زمرۂ نسواں

ایک مراعات یافتہ طبقہ تھا۔ عام عورت جنسی حظّ کا کھلونا، بچے پیدا کرنے والی مشین، اور گھر کے کام کاج کرنے والی ایک کنیز اور خادمہ تھی۔ دوسرے ممالک واوطان کی حالت عرب سے مختلف نہ تھی۔ اب ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو کس قسم کے حقوق عطا فرما کر اُن کی تقدیر بدل دی۔ شادی بیاہ کے وقت شوہر کو قبول یا رَدّ کرنے کا حق، ظالم شوہر سے علیحدگی حاصل کرنے کیلئے خلع کا حق، حق مہر اور شادی میں ملنے والے تحائف کی ملکیت کا حق، وراثت میں حق (ماں بیوی، بہن، بیٹی وغیرہ کے وراثت میں حصے)، روحانی اور دینی ترقی کے لئے عبادت میں حصہ لینے کا حق، تحصیلِ علم کا حق، نجات اُخروی اور ''جنت میں جانے'' کا حق، عبادت گاہوں میں دینی مجالس ومحافل میں علمی سوال کرنے کا حق (بعض مذاہب اپنی خواتین کے لئے اس قسم کے حقوق پر قدغن عاید کرتے ہیں)۔ زمانہء جاہلیت میں خاوند کو ان گنت طلاقیں دینے کا حق حاصل تھا اور اسی رفتار سے ان طلاقوں کو منسوخ کرنے کا حق بھی۔ اسلام نے اس ''بھونڈے مذاق'' کا خاتمہ کردیا۔ حضورؐ نے طلاق کو اللہ تعالیٰ کی نظر میں حلال چیزوں میں ''ابغض'' سب سے زیادہ ناپسندیدہ قرار دیا۔ ذرا اس روایت کے الفاظ پر غور فرمائیے۔ تـزوجـوا ولَا تـطـلـقـوا فَاِنَّ الطلاق یھتز منه العرش یعنی شادی کیا کرو اور طلاق نہ دیا کرو کیونکہ طلاق سے اللہ تعالیٰ کا عرش لرز جاتا ہے۔ (بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن جلد پنجم صفحہ 273، پبلشر ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)۔ طلاق کو ایک سنجیدہ قانونی اقدام بنانے کے لئے عدّت، نان نفقہ، حلالہ کا صحیح تصور اور صلح کے امکانات کا جائزہ وغیرہ متعدد امور نافذ فرمائے۔ ازدواجی زندگی میں عربوں کی جاہلانہ رسموں، (ایلاء، ظہار وغیرہ) کا خاتمہ کردیا۔ قذف کی سخت سزا نافذ کی گئی۔ عربوں میں باپ کے مرنے پر اُس کی بیویوں کو ورثے میں بانٹا جاتا تھا۔ بیٹے اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کر لیتے۔ البتہ حقیقی والدہ کا ''احترام'' کرتے۔ وہ کسی اور فرزند کے حبالہء عقد میں باندھ دی جاتی! نکاح میں دو یا زاید بہنوں کو جمع کر لیا جاتا۔ قرآن مجید نے ان فسادات کا خاتمہ کیا۔ جو گزر چکا اُس سے درگزر کیا۔

عائلی اور معاشرتی حسنِ سلوک کے حوالے سے حضورؐ کا اندازِ فکر ایک نئی سوچ کا آئینہ دار ہی نہیں بلکہ ہر لحاظ سے قابلِ تقلید بھی ہے۔ حضورؐ اپنی ازواج کا گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے۔ نان نفقہ اور وقت کی تقسیم میں مساوات، باری مقرر کرنے کا تصور، سفر میں ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ اندازی کا منصفانہ طریق، تفریح کا اہتمام۔ حضرت عائشہؓ کو اپنے ساتھ کھڑا کر کے مسجد نبوی میں حبشیوں کے کرتب دکھائے۔ بلکہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ کم ازکم دو مرتبہ دوڑ لگائی۔ سبحان اللہ اس دوڑ کے نتیجہ میں بھی ''مساوات'' برقرار رہی! ایک بار حضرت عائشہؓ آگے نکل گئیں۔ دوسری بار حضورؐ۔ ایک اجتماعی سفر میں خواتین بھی ہمراہ تھیں۔ اونٹوں کی رفتار غیر معمولی طور پر تیز ہوگئی۔ حدی خواں ساربانوں کو ہدایت دی کہ اُونٹوں کی رفتار کم کریں۔ اس موقع پر خواتین کے لئے ''قواریر'' کی اصطلاح استعمال فرمائی یعنی شیشے کی بنی ہوئی نازک چیزیں۔ بقول شاعر ع

انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

پھر مومنات اُمہات یعنی نیک ماؤں کے لئے فرمایا کہ اُن کے قدموں کے نیچے جنت موجود ہے۔ یہ کتنی عظیم الشان نسبت ہے۔ پھر والدین کے حقوق کا موازنہ کرتے ہوئے نصیحت کے طور پر فرمایا کہ باپ کے مقابلے میں ماں کے حقوق تین گُنا زیادہ ہیں۔ حضورؐ بیٹی کا بے لوث محبت میں کھڑے ہو کر استقبال کرتے۔ پیار کرتے۔ مرحومہ اہلیہ، حضرت خدیجہؓ کا بار بار ذکر فرماتے۔ اُن کی یاد کے حوالے سے ان کی سہیلیوں کو گوشت اور تحائف بھجواتے رہتے۔ رضاعی بہن کے احترام واکرام کے لئے چادر بچھائی۔ واقعات تو بہت ہیں۔ ایک ایک واقعہ مینارۂ نور اور مخزنِ ہدایت ہے۔!

غلاموں کے لئے رحمت

غلامی (Slavery) ہزاروں سال تک انسانی معاشرے میں موجود رہی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ انسانیت کے گلے کے ایک شرمناک طوق کو اقتصادی ضرورت سمجھا جانے لگا۔ بلکہ یہ لعنت بھی دولت کی ایک قسم قرار پائی۔ یہ ہر سلطنت، مملکت اور تہذیب کا حصہ رہی ہے۔ قدیم روم، یونان، فارس، مصر وغیرہ میں غلاموں کو اقتصادی مشین کے اہم پُرزوں کی حیثیت حاصل رہی۔ پرانے مذاہب کی کتابوں میں بھی غلاموں کے بارے میں قوانین درج ہیں۔ زمانہء جاہلیت کے عرب میں بھی یہ رواج موجود تھا۔ لڑائیوں میں مغلوب ہونے والوں کو غلام بنا کر بیچ دیا جاتا تھا۔ بلکہ عام آزاد لوگ، مسافر تاجر وغیرہ پکڑ دھکڑ میں غلام بنا کر بیچ دیئے جاتے۔ زید بن حارثہؓ اور سلمان فارسیؓ کو اسی طرح کے حادثات میں پکڑ کر بیچ دیا گیا۔ غلاموں کی زندگی جانوروں سے بھی بدتر ہوتی تھی۔ مگر کنیزوں اور لونڈیوں کی حالت زار مرد غلاموں سے بھی بدتر ہوتی تھی۔ ظہورِ اسلام کے وقت کے اخلاق، اقتصادی اور معاشرتی مسائل کی وجہ سے غلامی کا فوری اور مکمل انسداد عملاً مشکل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اسے آہستہ آہستہ ختم کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ حضور ﷺ نے

معاشرے میں موجود غلاموں کی حالت بہتر بنانے کے لئے مقدور بھر کوشش فرمائی۔ یہ تعلیم دی کہ غلاموں کو وہی کھانا کھلایا جائے جو اُن کے مالک کھاتے ہیں۔ اُنہیں وہی کپڑے پہنائے جائیں جو آقا زیبِ تن کرتا ہے۔ ان کی طاقت سے بڑھ کر ان پر کام کاج کا بوجھ نہ لادا جائے۔ قرآن کریم نے غلاموں کی رہائی کو ایک گرانقدر نیک عمل قرار دیا۔ قرآن کریم کی سورت البلد ابتدائی مکی سورتوں میں سے ہے متعدد مفسرین اور مستشرقین تو اسے بعثتِ نبویؐ کے پہلے سال کی سورت قرار دیتے ہیں۔ اس کی آیات 14,13 میں غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ بالفاظِ دیگر دعوتِ اسلام کی ابتدا اور غلاموں کی آزادی کی تحریک کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بعض گناہوں، لغزشوں اور غلطیوں کے کفارہ کے لئے غلام آزاد کرنے کی شقیں شریعتِ اسلام میں اس تحریک کو مستحکم کرنے کے لئے شامل کی گئیں۔ ایک صحابیؓ نے کسی بات پر ناراض ہو کر اپنے غلام کو تھپڑ مارا۔ حضورؐ قریب ہی موجود تھے۔ یہ آواز سن کر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ صحابیؓ نے اُسی وقت غلام کو آزاد کر دیا۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر تم غلام آزاد نہ کرتے تو جہنم تمہارا ٹھکانا بنتی۔'' حضورؐ نے اپنی طرف سے پورا زور لگایا کہ غلام کم سے کم ہوں، جو آزاد نہ ہو پائیں اُن سے گھر کے افراد والا سلوک کیا جائے۔ حضور ﷺ کا اپنا نمونہ مثالی تھا۔ اطلاع ملنے پر زید بن حارثہ کے بزرگانِ خاندان اُنہیں لینے کے لئے مکّہ آئے۔ یہ دعویٰ رسالت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ حضورؐ نے زید کو اُن کے ہمراہ جانے کی اجازت دے دی۔ مگر زید بن حارثہ نے حضورؐ کی غلامی کو آزادی پر ترجیح دی اور اپنے چچوں اور دیگر عزیزوں کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ زید بن حارثہ کی اس دلی وابستگی کے پیش نظر، حضورؐ نے اُسے اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔ اور اس وقت کے دستور کے مطابق لوگ اُنہیں ''زید بن محمدؐ'' کہنے لگے!!

اگر خلافتِ راشدہ 30 سال کے عرصے میں ختم نہ ہو جاتی اور اس کے بعد صدیوں تک چلنے والی ملوکیت کے ادوار نہ آتے، تو مجھے **یقین** ہے کہ غلامی کا خاتمہ ہو جاتا۔ سوشیالوجی کے ماہرین ان معاشرتی، اخلاقی اور اقتصادی مجبوریوں سے واقف ہیں جو انسدادِ غلامی کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوتی رہی ہیں۔ ظہور اسلام کے تقریباً 1200 سال بعد، امریکی صدر ابراہام لنکن کو بھی انہی مسائل ومشکلات کی وجہ سے غلامی کا خاتمہ کرنے میں کچھ وقت لگا۔ بلاشبہ حضرت نبی کریم ﷺ کی **شفقت** اور دلداری نیز حضورؐ کی تعلیمات غلاموں کے لئے رحمت کی گھٹا ثابت ہوئیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر بھی حضورؐ نے اپنے تاریخی خطبے میں غلاموں سے حسنِ سلوک کی تلقین فرمائی۔ بلکہ آخری علالت میں وفات سے کچھ دیر قبل اُمت کو اس نصیحت کی بھی یاد دہانی فرمائی۔ انہی تعلیمات کا فیض ہے کہ اسلامی معاشرے میں غلاموں سے افرادِ خاندان والا سلوک کرنے کی روایت جاری رہی حتّٰی کہ تاریخ عالم میں مسلمان غلاموں کے دو خاندانوں کو حکومت کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ ہندوستان کا ''خاندانِ غلاماں'' (Slave Dynasty) اور مصر کا مملوک خاندان (The Mamluks) مجھے خاندانِ غلاماں کے پہلے بادشاہ قطب الدین ایبک کے مزار پر دُعا کرنے کا شرف حاصل ہے۔ دہلی کی ایک ہزار سالہ پرانی مسجد ''قوت الاسلام'' کا مینار ''قطب صاحب کی لاٹ'' ایبک کی یادگار ہے۔

شرکائے جنگ کے لئے رحمت

جنگ ایک ایسی حالت ہے جس میں جذبات انتہائی اشتعال میں ہوتے ہیں۔ لیکن حضورؐ جنگ کو ناپسند فرماتے تھے اور امن کے لئے دعا گو رہتے۔ جنگ کا عربی متبادل لفظ ''حرب'' حضورؐ کو ناپسند تھا۔ اگر کسی شخص کا نام حرب ہوتا تو اُسے بدل کر عبدالرحمٰن یا کوئی اور اچھا سا نام عطا فرما دیتے۔ جنگ بسا اوقات ناگزیر ہو جاتی ہے یا مخالف قوتیں تھوپ دیتی ہیں اور دفاع میں مقابلہ کے لئے میدان میں اُترنا پڑتا ہے۔ قرآن کریم میں اذن جہاد وقتال کی آیات میں؛ اسی کیفیت کو محسوس کیا جاسکتا ہے (سورۃ الحج آیات 41,40) حضور ﷺ کی تعلیمات اور سیرت طیبہ تمام شرکائے جنگ کے لئے سراسر رحمت ہیں۔ لڑائی کرنے والے مسلح جنگجو (مقاتل) جنگ میں مارے جانے والے (مقتولین) جنگ میں قیدی بننے والے (اسیرانِ جنگ) میدانِ جنگ سے بھاگنے والے ان سب کے لئے حضورؐ کی ہدایات وتعلیمات ہیں جو رحمت سے معطّر ہیں۔ حضورؐ نے حالتِ جنگ میں بھی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ پھل دار درختوں کو کاٹنے کی مخالفت فرمائی، میدان جنگ میں دشمنوں کو بھی پانی لینے کی اجازت دی، ہتھیار پھینکنے والے، بھاگنے والے دشمن کا تعاقب کرنے سے منع فرمایا۔ دشمن کے مقتولین کا مُثلہ کرنے سے روک دیا۔ (کفّار مکہ نے جنگ اُحد میں مسلمان شہداء کے ناک کان کاٹ دیئے۔ حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کی نعش سے بھی یہی سلوک کیا۔ اس کے باوجود دشمن کا مثلہ کرنے کی ممانعت کی)۔ تاریخ عالم اس عظیم کردار کے حامل جرنیل کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے! جنگی قیدیوں سے حُسنِ سلوک کے موضوع پر تو ایک مقالہ لکھا جاسکتا ہے۔ حضورؐ کے زمانے میں نہ جنیوا کنونشن تھی۔ نہ ریڈ کراس اور نہ ہی Concentration camps تھے۔ مگر اسیرانِ جنگ سے سلوک عہدِ حاضر سے بھی بہتر تھا۔ جنگی قیدی سوار ہیں، فاتحین پیدل چل رہے ہیں۔ اسیران جنگ کو روٹی، گوشت اور زیتون دیا جارہا ہے مگران کے نگران مجاہدین کھجوروں پر گزارا کر رہے ہیں۔ اگر حضورؐ سے قرابت کی وجہ سے ایک قیدی (عباس بن عبدالمطلب) کے بند ڈھیلے کئے گئے ہیں تو حضورؐ نے حکم دیا کہ

سب قیدیوں سے یہی سلوک کیا جائے۔جنگ کے حوالے سے حضورؐ کی ہدایات وتعلیمات کی ایک جھلک پیش کی جاچکی ہے۔حضور پر اسلام کی بزورِ شمشیر اشاعت کا الزام دھرنے والوں کو کبھی فرصت میں بائبل کے آئینِ جنگ کا مطالعہ کر لینا چاہیئے۔میں یہاں صرف دو حوالہ جات کا ذکر کروں گا۔بنی اسرائیل کو ارضِ موعود یعنی کنعان میں آباد سات قوموں کو مکمل طور پر نیست و نابود کرنے کا حکم دیا گیا اُن قوموں کے نام صراحت کے ساتھ تورات میں موجود ہیں (استثناء باب 7 آیت 2,1) یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ عورتوں اور بچوں سمیت سب کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔کوئی معاہدہ نہ کیا جائے اور نہ اُن پر کسی قسم کا رحم۔استثناء کے باب 20 کی آیات 17,16 میں ایک مرتبہ پھر ان سات قوموں کا نام بنام ذکر کرنے کے بعد کہا گیا ہے ان کے شہروں میں ہر وہ چیز جو سانس لے رہی ہے اُسے فنا کر دو ۔

اتنی نہ بڑھا پاکیِ داماں کی حکایت دامن کی طرف دیکھ ، ذرا بندِ قبا دیکھ

دُشمنوں کے لئے رحمت

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فاتحین، غلبہ پانے کے بعد، مفتوح دشمنوں پر بڑے بڑے ظلم ڈھاتے رہے ہیں۔1258ء سقوطِ بغداد کے بعد، تاتاریوں نے بغداد کو تاخت و تاراج کر دیا اور لاکھوں افراد موت کے گھاٹ اُتار دیئے۔تقریباً ایک ہزار سال قبل،صلیبی جنگوں میں یروشلم اور مضافات میں یورپی فاتح افواج نے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔1492ء میں سقوطِ غرناطہ (سپین) میں مسلمانوں کے سرینڈر کے کچھ عرصہ کے بعد انہیں نیست و نابود کرنے کے لئے ہر قسم کے حیلے استعمال کئے گئے۔ Inquisition کے مقدمات میں استعمال ہونے والے خُون آشام ''آلات'' آج بھی وہاں ہسپانوی عجائب گھروں میں محفوظ ہیں۔نپولین جیسے روشن خیال فاتح نے اپنی موجودگی میں مصری مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔پرانے فاتحین کے سینوں میں گویا پتھر کا دل ہوتا تھا۔نبوکدنضر یروشلم کی بربادی کے وقت قتلِ عام میں بچ جانے والے تمام بنی اسرائیل کو لونڈی غلام بنا کر بابل لے گیا۔اور انہیں اپنے مشرقی مقبوضات میں منتشر کر دیا۔یہی کام رومی جرنیلوں نے ایک مرتبہ پھر کیا۔صرف اتنا فرق تھا ان قیدیوں کو اب کی بار مشرق کی بجائے یورپ میں منتشر کر دیا۔ہٹلر نے مشرقی اور مغربی یورپ میں رہنے والے انہی یہود کی نسل کو ہالوکاسٹ میں ختم کرنے کی کوشش کی۔لیکن تاریخ، حضرت نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس میں ایک بالکل مختلف فاتح پیش کرتی ہے۔حضورؐ نے فتح مکہ کے بعد تقریباً 20 سال تک مسلمانوں پر ظلم ڈھانے والوں کو معاف فرما دیا۔اس اجتماعی معافی کے علاوہ، حضورؐ کی طرف سے، انفرادی طور پر عفو و درگزر کے حیران کُن واقعات بھی ملتے ہیں۔

غزوۂ ذات الرقاع کا واقعہ ہے۔محرم 5 ہجری غورث بن حارث نامی ایک جنگجو، اسلامی لشکر کا تعاقب کرتے کرتے حضورؐ تک پہنچ گیا۔حضرت نبی کریم ﷺ اُس وقت سو رہے تھے۔اور حضورؐ کی تلوار قریب ہی ایک درخت میں لٹکی ہوئی تھی۔صحابہ کرامؓ بھی اِدھر اُدھر درختوں کے نیچے آرام کر رہے تھے۔غورث نے حضورؐ کی تلوار سونت کر پوچھا کہ اب آپ کو میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے۔حضورؐ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ''۔اظہارِ توکل کا یہ جلوہ دیکھ کر اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔اب وہی تلوار حضورؐ کے ہاتھ میں تھی۔غورث کو جان کے لالے پڑ گئے۔حضورؐ نے ازراہِ ترحم اس دشمن کو معاف فرما دیا۔(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوہ ذات الرقاع)۔7 ہجری میں فتح خیبر کے بعد یہودی جرنیل مرحب کی بہن زینب نے دعوت کے بہانے حضورؐ کو بُھنے ہوئے گوشت میں زہر ملا کر دے دیا۔اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو اس سازش کے اثرات سے محفوظ رکھا لیکن ایک صحابی جس نے لقمہ نگل لیا تھا، اس زہر کے اثر سے فوت ہو گئے۔حضورؐ نے اس عورت کو بھی معاف فرما دیا۔(سنن ابوداؤد کتاب الدیات)

اصل عفو و درگزر وہی ہے جب دشمن مغلوب ہو اور اس کی نجات اور فرار کے سب راستے مسدود ہوں۔اُس وقت لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ کی آواز اظہارِ رحمت کی معراج ہوتی ہے!

مزدوروں اور محنت کشوں کے لئے رحمت

بہت سے پیشے ایسے ہیں جن میں ہاتھ سے کام کاج کرنا پڑتا ہے۔بڑھئی، معمار، لوہار، باورچی، دھوبی، کسان وغیرہ چند مثالیں ہیں۔بعض لوگ اس طرح محنت مزدوری کرنے والوں کو ادنیٰ اور کمتر خیال کرتے ہیں۔لیکن قربان جایئے حضور ﷺ کی تعمیری سوچ پر جو وقارِ عمل (Dignity of labor) کو وقار سے ہمکنار کرنے والے تھے۔حضورؐ اپنے کپڑے دھو لیتے، جوتے کی مرمت کر لیتے، بکری ذبح کر کے اس کا گوشت بنا لیتے۔حضور ﷺ کا ایک قول ہے۔الکاسب حبیب اللہ یعنی ہاتھ سے کام کاج کرنے والا ہر ہنرمند

اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ یعنی اس طرح کام کر کے رزق حلال حاصل کرنے والا، معیوب نہیں بلکہ مقام مدح و توصیف کا حامل بن جاتا ہے۔ مزدوروں اور محنت کشوں کو ان کی اُجرت اور معاوضہ کی ادائیگی کے حوالے سے حضور ﷺ کے اس پُر حکمت ارشاد پر غور فرمایئے ''مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل، اس کی اُجرت ادا کی جائے'' (سُنن ابن ماجہ)
کمیونزم اور سوشلزم وغیرہ تحریکوں نے مزدوروں کے حقوق کے نعرے لگا کر، انقلاب کی راہیں ہموار کیں۔ لینن نے زارِ رُوس کی مضبوط حکومت گرادی۔ مگر اُسی کے جانشین سٹالن نے نئے نظام کو مستحکم کرنے کے لئے لاکھوں مزدور ہلاک کردیئے۔ چونکہ اس نظام نے بھی استحصال اور ظلم کا طریق اپنایا، ستّر سال کے سفر کے بعد اس نظام کا محل بھی زمیں بوس ہوگیا۔ مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کی کلید' استحصال اور کھوکھلی نعرہ زنی نہیں بلکہ انصاف' احسان اور انسانیت سے پیار ہے۔ اس بے لوث محبت اور شفقت کا اظہار ہمیں سیرتِ نبویؐ میں نظر آتا ہے۔ زاہر نامی ایک غریب اور سیاہ فام مزدور مدینہ کے قریب رہتا تھا۔ وہ بھی اپنی چیزیں فروخت کرنے کے لئے مدینہ کی مارکیٹ میں لاتا۔ ایک دن یہ زاہر، گرد و غبار سے اٹا ہوا، پسینے سے شرابور، عجیب و غریب ہیئت میں اس مارکیٹ میں ایستادہ تھا۔ حضورؐ پیچھے سے آئے۔ اس کی گردن میں باہیں ڈال دیں۔ وہ مُڑ کر نہ دیکھ سکا۔ اور حضورؐ کو پہچان نہ پایا۔ ایک آدھ لمحہ کے توقف کے بعد حضورؐ نے پیار سے کہا کہ کون میرے غلام کو خریدے گا۔ زاہر موقع غنیمت جان کر، حضورؐ کی آغوشِ محبت میں اٹھکیلیاں کرنے لگا اور عرض کیا کہ حضورؐ! یہ گھاٹے کا سودا ہے۔ مجھے کون خریدے گا؟ حضور ﷺ نے اس سیاہ فام، بھدے نقوش والے غریب مزدور کی دلداری کرتے ہوئے فرمایا۔ ایسا نہ کہو تمہاری خدا کی نگاہ میں بڑی قدر و قیمت ہے۔ یہ ہے الکاسب حبیب اللہ کا مفہوم! کسب حلال اور اکل حلال کی آسمانی قبولیت!! اور یہ ہیں حضور ﷺ کی انسان پروری اور غریب نوازی کے دلکش انداز۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ۔ (مسند احمد جلد 3 بحوالہ اُسوۂ انسانِ کامل، حافظ مظفر احمد صاحب۔ صفحہ 242' ایڈیشن 2003)

وابستگانِ تعلیم و تعلُّم کے لئے رحمت

تعلیم عملاً امراء کا استحقاق سمجھا جاتا تھا۔ حضور ﷺ نے حصول علم کو ہر مسلم مرد و زن کا فرض قرار دیا۔ اور اس مقصد کیلئے دُور دراز علاقوں کے سفر کی ترغیب بھی دی اور اس حوالے سے چین کا ذکر بھی دینی لٹریچر میں ملتا ہے۔ طالب علموں کے حق میں فرمایا کہ فرشتے ان کے قدموں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں (جامع ترمذی۔ ابواب العلم، سُنن ابوداؤد کتاب العلم) اس کا مطلب میں یہ سمجھا ہوں کہ فرشتے ان کے کاموں میں آسانی پیدا ہونے اور اُن کی محنت کے بابرکت ہونے کی دعائیں کرتے ہیں۔ اس ارشاد میں بین السطور، طلبہ کی حصولِ مقصد میں مدد کی تلقین بھی شامل ہے۔ ربّ زدنی علماً کی قرآنی دعا میں یہ پیغام بھی موجود ہے کہ تحصیل علم ایک مسلسل عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم معاشرے میں حصول علم مہد سے لحد تک جاری رہتا ہے اور جاری رہنا چاہیئے۔ تحصیل علم کا ایک بنیادی مقصد معرفتِ الٰہی اور حصول تقویٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم کے بارے میں قرآن کریم کا یہی ارشاد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عرفان کی بدولت خشیتِ الٰہی میں دوسروں سے آگے ہوتے ہیں۔
فروغِ علم میں حضور ﷺ کی دلچسپی اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ جنگِ بدر میں جب 70 کے لگ بھگ قیدی مدینہ لائے گئے تو ان کے مستقبل کے حوالے سے مختلف تجاویز زیرِ غور آئیں۔ حضورؐ نے اس تجویز کو خوش دلی سے پذیرائی بخشی کہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے والا قیدی آزادی کا حقدار متصوّر ہوگا۔ اس کی تائید میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے سیرت النبیؐ کے موضوع پر اپنی تصنیف میں' ابنِ سعد' سُہیلی اور ابنِ حنبل کی تصانیف سے حوالہ جات دیئے ہیں۔ (پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ 232' پبلشر بیکن بُکس. ایڈیشن 2005)
اساتذہ کی عزت و توقیر کے حوالے سے حضور ﷺ کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ استاد کی دوات کی سیاہی قدر و قیمت میں شہیدوں کے خون کے برابر ہے۔ ہم بھی پیشہ کے حوالے سے ایک پروفیشنل ٹیچر رہے ہیں بلکہ نامور اساتذہ کے خاندان سے تعلق ہے۔ اس قول سے بڑی سکینت ملتی ہے۔ ہمارے استعمال میں آنے والی سیاہی ہم سے بہتر ہے جسے خونِ شہیداں سے ایک نسبت ہے۔ شہید کا بڑا اعلیٰ و ارفع مقام ہے۔ اللہ کی دین ہے کہ ہم لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہوگئے ہیں۔!! حضورؐ ہی کا ارشاد ہے کہ ایک عالم کو عابد و زاہد پر وہی فضیلت حاصل ہے جو ستاروں پر ماہتاب کو حاصل ہے۔ یہ سب ارشادات جامع ترمذی ابواب العلم سے اخذ کئے گئے ہیں۔ یہ ارشاد بھی حضرت نبی کریم ﷺ سے منسوب ہے کہ اگر کسی جگہ عابد اور زاہد جمع ہوں اور دوسری طرف اہل علم بیٹھے ہوں تو حضور ﷺ اہل علم کے حلقہ میں بیٹھنا پسند فرمائیں گے۔ پھر اس خوش قسمتی پر بھی غور فرمائیں کہ زمین و آسمان کی ہر چیز عالم کے لئے دعا گو رہتی ہے حتّٰی کہ سمندر کی مچھلیاں بھی!

جانداروں کے لئے رحمت

جانداروں سے وہ اجسام مراد ہیں جن میں زندگی موجود ہے۔ جانداروں کی کئی اقسام ہیں۔ چوپائے، پرندے، درندے، حشرات الارض یعنی کیڑے مکوڑے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جاندار بھی حضورؐ کی رحمت سے محروم نہیں رہے۔ زمانہء جاہلیت میں عرب جانوروں کا گوشت اور چربی حاصل کرنے کے لئے بعض وحشیانہ طریقے استعمال کر لیتے تھے۔ مثلاً زندہ جانوروں کو ذبح کئے بغیر اونٹ کی کوہان یا دنبوں کی چکی سے چربی کاٹ لیتے تھے۔ حضورؐ نے اس ظالمانہ حرکت کی ممانعت فرمادی۔ جانوروں سے اس طرح حاصل کئے جانے والے گوشت اور چربی کو حضورؐ نے میتہ یعنی مردار قرار دے دیا۔

عربوں میں ایک اور بدرسم بھی تھی۔ کھیل اور تفریح کے لئے جانوروں کو باندھ کر تیراندازی کرتے اور نشانہ لگاتے اور جانور کو اس طرح مارنے کے بعد اس کا گوشت کھاجاتے۔ اس بدرسم کو ختم کرنے کے لئے حضور ﷺ نے ایسے جانوروں کا گوشت کھانا حرام قرار دے دیا۔ (سُنن ابن ماجہ۔ کتاب الذبائح)

عربوں میں ایک اور بدرسم بھی پائی جاتی تھی۔ کسی شخص کے مرنے کے بعد، اس کے زیرِ استعمال سواری کا جانور، اُونٹ، گھوڑا وغیرہ اس کی قبر پر باندھ دیا جاتا۔ دانہ دُنکا، چارہ پانی نہیں دیا جاتا تھا۔ وہ جانور اپنے مالک کے ''سوگ'' میں تڑپ کر مرجاتا۔ حضورؐ نے اس بدرسم کا بھی خاتمہ فرمادیا۔ جانوروں کی پہچان اور شناخت کے لئے انہیں گرم لوہے سے داغا جاتا تھا۔ یہ ایک تمدنی اور انتظامی ضرورت تھی۔ حضورؐ نے اس کام میں یہ ترمیم فرمائی کہ جانوروں کو پیشانی کی بجائے جلد کے ان مقامات پر نشان بنانے کی اجازت دی جو نسبتاً سخت شمار کئے جاتے تھے۔ ذبح کرنے کے لئے تیز چُھری استعمال کرنے کی تلقین فرمائی تا ذبح کئے جانے والے جانور کی رگیں اور اعصاب جلد کٹ جائیں اور اُسے کم سے کم تکلیف ہو۔

حضورؐ سواری کے لئے جانوروں کی مناسب دیکھ بھال اور اُن کی خوراک اور آرام کا خیال رکھنے کا حکم دیا کرتے۔ اسی طرح جانور کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ لادنے سے بھی منع فرماتے۔ حضور ﷺ ایک مرتبہ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں موجود ایک دُبلا پتلا اونٹ حضورؐ کے پاس آ کھڑا ہوا اور اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔ حضورؐ نے اونٹ کے مالک کو بلا کر سرزنش کی کہ جانور نے تمہاری بدسلوکی کی شکایت کی ہے۔ تم اس کے حقوق کے بارے میں خدا سے ڈرو۔

یہ شفقت اور رحمت پرندوں اور حشرات الارض تک وسیع تھی۔ ایک صحابی نے کھیل کھیل میں ایک پرندے کے بچے اُٹھالئے اس پر وہ پرندہ بے چینی سے صحابہ کے سروں پر اُڑنے لگا۔ حضورؐ نے صحابہ سے پوچھا کہ کس شخص نے اس پرندے کو تکلیف دی ہے صحابی کے اعتراف پر اُسے حکم دیا کہ بچے اس پرندے کے گھونسلے میں واپس رکھے جائیں۔ ایک صحابی نے آگ روشن کی۔ موصوف بے دھیانی میں چیونٹیاں پکڑ پکڑ آگ میں ڈالنے لگے۔ حضور ﷺ کی نظر پڑی۔ اس منظر کو ناپسند کیا اور اُس صحابی کو اس حرکت سے منع فرمایا۔

احادیث میں جانوروں پر ظلم اور رحم کے حوالے سے دوسبق آموز واقعات کا ذکر ملتا ہے۔ ایک عورت نے ایک بلّی کو مقیّد رکھ کر، بھوکا پیاسا ماردیا۔ اس ظلم کی وجہ سے وہ عذاب کی مستوجب ٹھہری۔ اس کے برعکس ایک پیاسے کُتے کو پانی پلانے پر، گھناؤنے گناہوں میں ملوّث ایک عورت کی مغفرت ونجات کا سامان ہوگیا۔ حضورؐ کی زبان مبارک سے اس قسم کے واقعات میں جانوروں پر رحم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح۔ انگریزی ترجمہ و تشریح مولانا فضل الکریم۔ پبلشر، اسلامک بُک سروس۔ دھلی ایڈیشن 2001صفحہ179)

دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے لئے رحمت

اسلام خاتم الادیان ہے۔ سب مذاہب کے بعد آیا۔ دیگر فضائل ومناقب کے علاوہ، اسلام کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ یہ مذہبی رواداری کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ حضور ﷺ ہی اس کے سب سے بڑے چیمپین ہیں۔ تاریخ ادیان کی شُدبُد رکھنے والے جانتے ہیں کہ مذہبی اختلاف کے نام پر کس طرح کُشت وخون جاری رہا ہے۔ غلط قسم کے مذہبی لیڈروں کے مشتعل کرنے پر کس طرح حکمران، مقتدر ادارے حتّٰی کہ عدالتیں دوسرے مذاہب اور فرقوں کے پیروکاروں کو موت کے گھاٹ اُتارتی رہی ہیں اور زندہ جلادینا پسندیدہ سزا سمجھا جاتا رہا ہے۔ لیکن دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے حضور ﷺ نے جو سلوک فرمایا ہے اُس پر ''رحمت'' ہی کا لفظ اطلاق پاتا ہے۔ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ سے بطور مثال دو واقعات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ 622ء میں مکّہ سے ہجرت کے جلد بعد، مدینہ کی نئی ریاست کے لئے، حضورؐ نے آئین نافذ کیا جو تاریخ

میں ''میثاقِ مدینہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دنیا کا پہلا تحریر شُدہ آئین ہے۔ اس کی 47 شقیں تاریخ میں من وعن محفوظ ہیں۔ آئین میں یہود کے قبائل کو مکمل مذہبی آزادی دی گئی اور یہ ضمانت بھی دی گئی کہ ان کے مقدمات کا فیصلہ ان کی شریعت اور قانونی روایات کے مطابق کیا جائے گا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی نے اپنے مرتب کردہ Encyclopedia of The Islamic World میں میثاقِ مدینہ کے آرٹیکل 25 کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ ''یہود کا مذہب یہود کے لئے ہے اور مسلمانوں کا مذہب مسلمانوں کے لئے'' (ایضاً صفحہ 556)۔ یہ آرٹیکل پڑھ کر مجھے سورت الکافرون کی آیت لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ یاد آ گئی۔ اس سے بھی حیران کُن بات جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ میثاقِ مدینہ میں 'ریاستِ مدینہ کے تمام شہریوں، مسلم اور غیر مسلم، کے لئے ''ملّتِ واحدہ'' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ افسوس کہ یہود اس آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں سے باز نہیں آئے!

غالباً، 630ء میں جنوبی عرب کے علاقہ نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ آیا۔ حضورؐ نے ان مہمانوں کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا۔ ان سے مذہبی گفتگو ہوئی، جس نے بحکمِ الٰہی مُباہلہ کے چیلنج کی صورت اختیار کر لی (سورۃ آلِ عمران آیت 62) مگر مسیحی وفد مُباہلہ کے لئے تیار نہ ہوا۔ آخر کار ایک معاہدہ طے پایا۔ اہلِ نجران کو مذہبی آزادی سمیت ہر قسم کے حقوق دیئے گئے۔ البتہ معاہدہ کے مطابق اُنہیں سُود ی لین دین سے منع کیا گیا۔

مسجد نبوی میں قیام کے دوران عیسائیوں کی اجتماعی عبادت کا وقت آ گیا۔ اُنہوں نے مسجد سے باہر جا کر عبادت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضور ﷺ نے ان غیر مسلموں کو مسیحی طریق کے مطابق، مسجد نبوی کے اندر عبادت کرنے کی تجویز دی۔ چنانچہ عیسائیوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے عبادت کی۔ یاد رہے کہ مکّہ مدینہ سے جنوب میں واقع ہے یعنی مسلمانوں کا قبلہ جنوب میں ہے۔ مسجد بیت الحرام کے بعد تقدس وعظمت کے حوالے سے مسجد نبوی کا مقام و مرتبہ ہے۔ اس مسیحی وفد نے اُس مسجد نبوی میں عبادت کی۔ یہی مذہبی رواداری حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا ایک نمایاں پہلو ہے۔

خلفائے راشدین اور ان کے بعد آنے والے مسلمان فاتحین نے انہیں روایات کو پیشِ نظر رکھا اور غیر مسلم ذمیوں اور رعایا سے حُسنِ سلوک کی مثالیں قائم کیں۔ نجران کے عیسائی جب سُود ی کاروبار میں تیزی سے مصروف ہو گئے، تو حضرت عمرؓ نے انہیں عراق اور شام میں جلاوطن کر دیا۔ مگر انہیں نجران سے بہتر زرخیز زمینیں دیں اور دو سال کے لئے ان کا جزیہ موقوف کر دیا اور گورنروں کو لکھا کہ نئے علاقوں میں آباد کرنے میں ان کی ہر طرح کی مدد کی جائے!! ضمناً عرض ہے کہ حضرت علیؓ کے حکم پر ایران کے زرتشتیوں سے ''اہلِ کتاب'' سا سلوک روا رکھا گیا اور اُموی دورِ حکومت میں محمد بن قاسم نے سندھ کے ہندوؤں کو بھی ''اہلِ کتاب'' کی مراعات دیں!

گناہ گاروں کے لئے رحمت

ابھی ذیلی عناوین اور بھی ہیں۔ یتیموں، بیواؤں، ہمسایوں وغیرہ سب تک حضور ﷺ کے لطف وکرم اور رحمت کا فیض پہنچا ہے مگر میں ان باقیات کو کسی اور وقت پر اُٹھا رکھتا ہوں۔ آخر میں اُس طبقے کا ذکر کرنا چاہتا ہوں میں خود جس کا حصہ ہوں۔ یعنی گناہ گاروں، عاصیوں، مجرموں اور مذنبّوں کا گروہ، ایک ایسا گروہ جس کی اگر دیانت داری سے مردم شماری کی جائے تو ان کی اکثریت مسلّم ہو جائے گی۔ گناہ گاروں کی اصلاح اور نجات کا امکان ہے یا نہیں، مختلف مذاہب نے کس قسم کے حل تجویز کئے ہیں۔ آیئے اس صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہیں۔

1۔ یہودیت نے جس میں غالباً سب سے زیادہ نبی اور ہادی گزرے ہیں، گناہ گاروں کو عبادات، روزوں، قربانیوں اور کفاروں کے لمبے چوڑے پروگرام دیئے ہیں۔ اُنہیں پڑھ کر میرا تو دل ڈُوبنے لگتا ہے!

2۔ ہندو، دھرم، جسے قدیم ترین مذہب ہونے کا دعویٰ ہے، گناہ گاروں کی مُکتی یعنی نجات کے لئے تناسخ اور آواگون کے چکر چلاتا ہے گناہ گار شخص، اپنے بداعمال وافعال کے نتیجے میں، کُتّے، بِلّے، سؤر، سانپ، بچھو، گِدھ، کیڑے مکوڑے بنتے بنتے یعنی ان جُونوں سے گزرتے گزرتے کبھی نہ کبھی مُکتی پا ہی جائے گا۔ مگر ایک مشکل ہے ہمیں کیسے پتہ چلے گا ان جانداروں میں کس کس کا تعلق ہمارے آباؤ اجداد یا عزیزوں رشتہ داروں سے ہے!!

3۔ بُدھ ازم میں جو ہندو دھرم ہی کی ایک ارتقائی شکل ہے، گُناہوں سے نجات کے لئے ایک ہی سبق سکھایا گیا ہے کہ ''خواہشات کو مارو''۔ یہ اتنا آسان کام نہیں۔ تمام اچھی چیزوں اور نعمتوں کو ترک کرنا، اور بھکشو بن کر زندگی گزارنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں ہے۔

4۔عیسائیت نے ایک آسان حل تجویز کر رکھا ہے۔یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم کی صلیبی موت پر ایمان لانے سے سارے گناہ دُھل جاتے ہیں۔میں اس منطق کو سمجھنے میں شروع ہی سے ناکام رہا ہوں۔اس عقیدہ سے تو گناہ میں مزید بے باکی پیدا ہوتی ہے اور اباحت کا دروازہ اور زور سے کھلتا ہے۔

5۔ہمارے سیّد و مولا شفیع المذنبین نے گناہ گاروں کے لئے جو بابِ رحمت وا کیا، اس کا نام ''توبہ'' (Repentance) ہے۔صوفیاء نے اسے ''توبۃ النصوح'' کا نام دیا ہے اور اس کے تین عناصر ترکیبی گنوائے ہیں (i) ندم (ii) ہدم اور (iii) عزم۔

ندم کا مطلب گناہ پر شرمندگی، ندامت، خجالت اور پچھتاوا ہے۔ہدم سے مراد انہدام ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے رو رو کر گناہوں پر معافی مانگنا جس کے نتیجے میں گناہوں کے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر منتشر ہو جاتے ہیں۔معاصی کے یہ بڑے بڑے قلعے، ٹوٹ پھوٹ کر راکھ کا ڈھیر بن جاتے ہیں۔عزم سے پکا ارادہ مراد ہے یعنی ایسا فولادی قسم کا عزم بالجزم، کہ آئندہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے، خواہ کچھ ہو جائے، ان گناہوں اور ناسپاسیوں کا اعادہ نہ ہوگا۔ان تین عناصر کے یکجا ہونے سے، معرضِ وجود میں آنے والی توبہ ہی ایسی مقبول اور مبرور توبہ ہے جو ایک عاصی اور مُذنب کو ایک نوزائیدہ بچے کی طرح معصوم بنا دیتی ہے۔سچی توبہ کے ذریعے گناہ گار کو، گناہ بخشے جانے کی اُمید دلانا، ایک معقول اور قابلِ عمل راستہ ہے۔اس کے نتیجے میں چور اور ڈاکو ولی اور قطب بن گئے ہیں!! اس حوالے سے حضور ﷺ کا مبارک وجود، گناہ گاروں کے لئے یقیناً رحمتِ مجسّم ہے۔

حرفِ آخر

جی تو چاہتا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے احسانات کو یاد کر کے، ہدیہء محبت پیش کرنے کی یہ کوشش جاری رکھوں۔ایسا کرنے سے لکھنے والوں کی طرح، پڑھنے والوں کو بھی درود و سلام کی توفیق ملتی ہے۔غالبؔ نے اپنی ایک نعتیہ غزل کے مقطع میں بڑی پیاری بات کہی ہے۔میں بھی اس مضمون کو غالبؔ کے اسی شعر پر ختم کرنا چاہتا ہوں ؎

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم　　　کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

غالبؔ! حضرت نبی کریم ﷺ کی مدح و توصیف کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو۔کیونکہ اُسی کی ذات پاک، حضور ﷺ کی بلند و شان اور عظمت سے واقف و آگاہ ہے۔ اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمدٍ و ال محمدٌ۔

آؤ حسنِ یار کی باتیں کریں

چوہدری محمد علی مضطرؔ عارفی

آؤ حسنِ یار کی باتیں کریں　　　یار کی، دلدار کی باتیں کریں
اک مجسّم خُلق کے قصے کہیں　　　احمدِؐ مختار کی باتیں کریں
جس کو سب سرکارِ دو عالم کہیں　　　ہم اسی سرکار کی باتیں کریں
اک گُلِ خوبی کا چھیڑیں تذکرہ　　　حسنِ خوشبودار کی باتیں کریں
غم غلط ہوجائیں سب کونین کے　　　جب بھی اس غمخوار کی باتیں کریں
جس کی ستّاری پہ دل قربان ہے　　　ہم اسی ستّار کی باتیں کریں
پھر غمِ جاناں کی چادر اوڑھ کر　　　غم کے کاروبار کی باتیں کریں

تربیتِ اولاد کے لئے صحابہء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ نمونہ

مظفر احمد دُرّانی، مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ

صحابہء رسولؐ جن کی تعلیم وتربیت مربی کامل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ جو ہمارے لئے ہدایت کے ستارے ہیں، انہوں نے اپنے بچوں کی تربیت کے لئے وہ اسلوب اپنائے جو ہماری رہنمائی کے لئے پاکیزہ نمونہ ہیں۔ جس کی ایک جھلک چند واقعات کی صورت میں پیش ہے۔

وضو اچھی طرح کیا کرو

ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چھوٹے بھائی حضرت عبدالرحمان بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے ہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو انہوں نے جھٹ پٹ وضو کیا اور مسجد کو چل دیئے۔ اس پر ان کی تربیت کی خاطر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں ٹوکا کہ عبدالرحمان! وضو اچھی طرح کیا کرو۔ کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ وضو میں جو عضو نہ بھیگے اسے جہنم کی آگ چھوئے گی۔

(اسوۂ صحابہؓ حصہ دوم ص186،از:مولانا عبد السلام ندوی۔مطبع معارف اعظم گڑہ مطبوع گردید، طبع سوم1950ء)

سر ڈھانپ کر نماز پڑھیں

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دفعہ ایک گھر میں مہمان ہوئیں۔ آپ نے دیکھا کہ صاحبِ خانہ کی دونو جوان لڑکیاں ننگے سر اور بلا چادر اوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں۔ جب وہ نماز ادا کر چکیں تو آپ نے انہیں تاکید کی کہ آئندہ کوئی لڑکی بغیر چادر اوڑھے نماز نہ پڑھے۔

(اسوۂ صحابہؓ حصہ دوم ص186،از:مولانا عبد السلام ندوی۔مطبع معارف اعظم گڈہ مطبوع گردید، طبع سوم 1950)

نماز میں نہ کھیلیں

حضرت علی بن عبدالرحمان المعادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نماز میں کنکریوں سے کھیل رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دیکھا تو میری نماز کی بہتری اور تربیت کے لئے مجھے کنکروں سے کھیلنے سے منع فرمایا۔

(اسوۂ صحابہؓ حصہ دوم ص186،از:مولانا عبد السلام ندوی۔مطبع معارف اعظم گڈہ مطبوع گردید، طبع سوم1950ء)

دو رکعت نفل نماز

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی بیوہ نے گواہی دی، جس کا ان پر ایک خاص نیک اثر تھا کہ آپ کبھی گھر سے باہر نہیں جاتے تھے جب تک کہ دو رکعت نفل نماز نہ ادا کر لیں۔ اسی طرح جب بھی گھر میں داخل ہوتے تھے تو آپ کا پہلا کام یہ ہوتا تھا کہ وضو کر کے دو رکعت نفل نماز ادا کیا کرتے تھے۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ جز 4 ص66۔ از: امام حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی،داراحیاء التراث العربی بیروت)

نمازِ تہجد کے لئے جگاتے

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ طریق تھا کہ رات کو اپنے اہل وعیال کو نمازِ تہجد کے لئے جگاتے ہوئے اس آیتِ قرآنی کی تلاوت فرمایا کرتے تھے:
وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَo(طٰهٰ:33 1) یعنی تو اپنے اہل کو نماز کی تاکید کرتا رہ اور تو خود بھی اس نماز پر قائم رہ۔ ہم تجھ سے رزق نہیں مانگتے بلکہ ہم ہی تجھے رزق دے رہے ہیں اور انجام متقین کا ہی بہتر ہوتا ہے۔ کیا ہی اعلیٰ طریق ہے اہلِ خانہ کو جگانے کا اور بچوں کی

تربیت کا جو اپنے اندر قرآن کی برکتیں لئے ہوئے ہے۔

(مؤطا امام مالک کتاب صلوٰۃ اللیل باب فی ما جاء فی صلوٰۃ اللیل)

سلام کو رواج دو

حضرت محمد بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بچہ تھا، حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن میرا ہاتھ پکڑے مسجد سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ رستہ میں چھوٹا، بڑا، مسلمان یا عیسائی جو بھی ہم سے ملا آپ نے اسے سلام کہا اور اپنے گھر کے دروازہ پر پہنچ کر آپ نے میرے علم اور تربیت کے لئے فرمایا: یَـا ابْنَ اَخِیْ اَمَرَنَا نَبِیُّنَا صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَنْ نُفْشِی السَّلَامَ کہ اے بھتیجے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سے سلام پھیلانے کا ہمیں حکم فرمایا تھا۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب افشاء السلام)

گھونگرو کاٹ ڈالا

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بچے کے پاؤں میں گھونگرو دیکھا تو اسے کاٹ ڈالا اور فرمایا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر گھونگرو والے کے ہمراہ شیطان رہتا ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی ایک دفعہ اسی وجہ سے ایک لڑکی کے گھونگرو کٹوا دیئے تھے۔

(سنن ابو داؤد کتاب الخاتم باب ما جاء فی الجلاجل)

موٹا دوپٹہ اوڑھایا

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھتیجی حفصہ بنت عبد الرحمان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت باریک دوپٹہ اوڑھے جب آپ کے گھر آئیں تو آپ نے اس حالت کو نہایت کراہت سے دیکھا اور بچی کی مستقل تربیت کے لئے اور دینی غیرت کے پیشِ نظر دوپٹہ چاک کر دیا اور فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتی کہ سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ نے پردہ کے کیسے احکامات نازل فرما رکھے ہیں۔ پھر گھر سے ایک موٹا دوپٹہ نکال کر بچی کو اوڑھایا۔

(اسوۂ صحابہؓ حصہ دوم ص191، از: مولانا عبد السلام ندوی۔ مطبع معارف اعظم گڈھ مطبوع گردیدہ، طبع سوم 1950) و (مؤطا امام مالک کتاب اللباس)

بچوں کی بہادرانہ تربیت

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داماد اور اسی مناسبت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زُلف تھے۔ آپ نے اپنے بچوں کی تربیت کا خوب اہتمام فرمایا۔ خاص طور پر اپنے بیٹوں کو بہادری اور جرأت کے سبق سکھائے۔ اپنے نو بیٹوں کے نام جنگِ بدر اور احد میں شہید ہونے والے بزرگ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ناموں پر رکھے، جیسے عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ گویا بیٹوں کو ناموں کے ذریعہ ہی خدا کی راہ میں قربان ہونے کے لئے تیار فرما دیا۔

(الطبقات الکبریٰ، از: محمدبن سعد جلد 3 ص107، دار احیاء التراث العربی بیروت)

جنگِ یرموک کے وقت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عمر صرف دس سال تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں جنگ میں ساتھ لے گئے اور گھوڑے پر سوار کر کے میدانِ جنگ میں ایک آدمی کے سپرد کیا۔ تا کہ جنگ کا ماحول دیکھ کر ان میں جرأت پیدا ہو۔ اسی تربیت کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے وقت کے بہادر اور شجاع انسان ٹھہرے۔

(سیرت صحابہء رسولؐ از: حافظ مظفر احمد صاحب ص189، مطبوعہ دسمبر 2009)

خالی مچاکے مارتے رہے

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہمان کو ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رات کی مہمان نوازی کے لئے بھیج دیا۔ گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ گھر میں بہت تھوڑا کھانا ہے جو صرف بچوں کو کفایت کر سکتا ہے۔ اس صحابی رضی اللہ عنہ نے بیوی کے ساتھ پروگرام بنایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کی خاطر داری کے لئے بچوں کو بھوکے سلا دو اور کھانا کھانے کے وقت چراغ بجھا دینا۔ چنانچہ اس نیک عورت نے اپنے بچوں کو تھپ تھپا اور بہلا کر بھوکے ہی سلا دیا۔ اور چراغ درست کرنے کے بہانے اسے بجھا دیا۔ پھر کھانا لا کر دسترخوان پر رکھا۔ دونوں میاں بیوی بھی مہمان کے ساتھ ہی بیٹھ گئے جبکہ کھانا صرف ایک فرد کے لئے کافی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مہمان تو کھانا کھاتا رہا اور یہ دونوں میاں بیوی اندھیرے میں صرف مچاکے مارتے اور کھانا کھانے کی آوازیں نکالتے رہے۔ تا کہ مہمان پیٹ بھر کر کھانا کھا لے اور اسے احساس بھی نہ ہو کہ کھانا تھوڑا ہے اور ہم ساتھ نہیں کھا رہے۔ گویا بچوں کے ساتھ ساتھ وہ میاں بیوی بھی رات کو بھوکے رہے۔ صبح جب وہ انصاری صحابی رضی اللہ عنہ حضورؐ سے ملے تو آپؐ نے ہنس کر فرمایا کہ تمہاری

رات کی تدبیر سے تو اللہ بھی ہنستا رہا۔ کیونکہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ سے مطلع فرما دیا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب باب یؤثرون علیٰ انفسھم)

غلام سے اچھا سلوک کرنا

حضرت ابوالہیثم انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک غلام کی درخواست کی۔ آپ نے انہیں غلام دیتے ہوئے نصیحت کی کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ آپ غلام کو لے کر گھر آئے، بیوی سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ غلام دیتے ہوئے نصیحت کی ہے کہ اس سے حُسنِ سلوک کرنا۔ چونکہ تم نے اس سے کام لینا ہے اس لئے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کا خیال رکھنا۔ ابو الہیثم رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی تقویٰ شعار خاتون تھیں، کہنے لگیں کہ غلام کا حق تو تبھی ادا ہوگا کہ اس غلام کو آزاد کر دیا جائے۔ ابوالہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت اعلان کیا کہ اللہ کے نام پر اور اسی کے تقویٰ سے، خدا کے رسول کی خاطر میں اس غلام کو آزاد کرتا ہوں۔

(جامع ترمذی ابواب الزھد باب معیشۃ النبیؐ)

تربیتِ اولاد کے لئے شوق

صحابہء رسولؐ کے دلوں میں تربیتِ اولاد کی ایک لگن اور شوق موجزن تھا۔ جس کے لئے وہ ہر وقت مواقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ اسی نیک جستجو کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

’’رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ مجلس میں بیٹھے تھے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کے گرد حلقہ باندھے بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا جس مسلمان کے گھر تین لڑکیاں ہوں اور وہ ان کی اچھی تعلیم و تربیت کرے تو اس مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت واجب ہو جاتی ہے۔۔۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو اس بات کے مشتاق رہا کرتے تھے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی سے چھوٹی بات سے بھی فائدہ اٹھائیں، انہوں نے جب یہ بات سنی تو وہ جن کی تین لڑکیاں تھیں وہ تو اس خوشی سے بیتاب ہو گئے کہ وہ ان کی اچھی تربیت کر کے جنت کے حقدار بن جائیں گے۔ مگر وہ جن کی تین لڑکیاں نہیں تھیں بلکہ دو تھیں ان کے چہروں پر افسردگی چھا گئی اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر کسی کی دو لڑکیاں ہوں اور وہ ان دونوں کی اچھی تربیت کرے تو اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ جب آپ نے ہاں میں جواب دیا تو وہ لوگ جن کی صرف ایک لڑکی تھی وہ افسردہ اور مغموم ہو گئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اگر کسی کی دو لڑکیاں نہ ہوں بلکہ صرف ایک لڑکی ہو تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر کسی کی ایک ہی لڑکی ہو اور وہ اسے اچھی تعلیم دے اور اس کی اچھی تربیت کرے تو اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت واجب ہو جاتی ہے۔‘‘

(روزنامہ الفضل ربوہ 17 فروری 1939)

بیٹے سے بولنا بند کر دیا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دے دیا کرو۔ اس پر آپ کے ایک بیٹے نے کہا کہ ہم تو اجازت نہیں دے سکتے، کیونکہ وہ اس بات کو آئندہ آوارگی اور فساد کا بہانہ بنا لیں گی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بہت ناراض ہوئے اور اسے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا کہ میں حضورؐ کا ارشاد سناؤں اور تو کہے کہ اجازت نہیں دے سکتے!! اس کے بعد آپ نے اس بیٹے سے بولنا بند کر دیا۔

(صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب خروج النساء الی المساجد)

بیٹوں کو جہاد کے لئے ابھارنا

صحابیاتِ رسولؐ بھی تربیتِ اولاد میں مرد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہرگز پیچھے نہیں تھیں۔ بلکہ ان کی ہر طرح سے بہتر اور حسبِ ضرورت تربیت کیا کرتی تھیں۔ اس سلسلہ میں حضرت خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تربیتِ اولاد کا واقعہ بڑا ہی حیران کن اور ایمان افروز ہے۔ جسے حضرت مصلح موعودؓ کے الفاظ میں درج کر رہا ہوں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

’’حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب عراق میں قادسیہ کے مقام پر جنگ جاری تھی تو کسریٰ میدانِ جنگ میں ہاتھی لایا۔ اونٹ ہاتھی سے ڈرتا ہے اس لئے وہ انہیں دیکھ کر بھاگتے تھے۔ اور اس طرح مسلمانوں کو بہت نقصان ہوا اور بہت سے مسلمان مارے گئے۔ آخر ایک دن مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ خواہ کچھ ہو آج ہم میدان سے ہٹیں گے نہیں جب تک دشمن کو شکست نہ دے لیں۔ ایک عورت حضرت خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے چار بیٹوں کو لے کر میدانِ جنگ میں آئیں اور ان کو مخاطب کر کے کہنے لگیں کہ پیارے بیٹو! تمہارے باپ نے اپنی زندگی میں ساری جائیداد تباہ کر دی تھی۔۔۔ اور جب تمہارا باپ مرا تو اس نے کوئی جائیداد نہ چھوڑی۔

میں اس وقت جوان تھی، تمہارے باپ کی کوئی جائیداد نہ تھی۔ پھر اپنی زندگی میں اس نے میرے ساتھ کوئی حسنِ سلوک بھی نہ کیا تھا اور اگر عرب کے رسم ورواج کے مطابق میں بدکار ہو جاتی تو کوئی اعتراض کی بات نہ تھی۔ مگر میں نے اپنی تمام عمر نیکی سے گزاری۔ اب کل فیصلہ کن جنگ ہونے والی ہے۔ میرے تم پر بہت سے حقوق ہیں۔ کل کفر اور اسلام میں مقابلہ ہوگا، اگر تم فتح حاصل کئے بغیر واپس آئے تو میں خدا تعالیٰ کے حضور کہوں گی کہ میں ان کو اپنا کوئی بھی حق نہیں بخشتی۔ اس طرح اس نے اپنے چاروں بیٹوں کو جنگ میں تیار کر کے بھیج دیا۔ اور پھر گھبرا کر خود جنگل میں چلی گئی اور وہاں تنہائی میں سجدہ میں گر کر اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنے لگی۔ اور دعا یہ کی کہ اے میرے خدا! میں نے اپنے چاروں بیٹوں کو دین کی خاطر مرنے کے لئے بھیج دیا ہے۔ لیکن تجھ میں یہ طاقت ہے کہ ان کو زندہ واپس لے آئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ مسلمانوں کو فتح بھی ہوگئی اور اس کے چاروں بیٹے بھی زندہ واپس آ گئے۔ یہ جرأت اور بہادری ایمان بالآخرۃ ہی کا نتیجہ تھی۔''

(تفسیر کبیر جلد ھفتم ص338۔339۔ تفسیر سورۃ النمل:4)

بہنوں کی تربیت کے لئے بوڑھی عورت سے شادی

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شادی کی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم نے شادی کنواری لڑکی سے کی ہے یا کسی بیوہ عورت سے؟ آپ نے عرض کیا کہ بیوہ عورت سے شادی کی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا: تم کسی کنواری لڑکی سے شادی کرتے، وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور! میرے والد عبداللہ جنگ میں شہید ہو گئے تھے اور پیچھے میرے ساتھ میری جوان بہنیں چھوڑ گئے ہیں۔ اس لئے میں نے پسند نہیں کیا کہ انہیں جیسی ان کی عمر کی بیوی، میں گھر میں لے آؤں اور ان بہنوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے والا کوئی نہ ہو۔ اس لئے میں نے بڑی عمر کی عورت سے شادی کی ہے تا کہ ان بچیوں کی تربیت کر سکے۔

(صحیح بخاری کتاب الجهاد باب استیذان الرجل الامام)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تربیتِ اولاد کے لئے قائم کردہ اعلیٰ اسوہ اور نمونہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پیشوا سب کے لئے

امتہ الباری ناصر

ہے خدا سب کے لئے نورِ خدا سب کے لئے
اور رسول اللہ محمد مصطفیٰ ﷺ سب کے لئے

آپؐ کی ہستی ہے اک مینارۂ نورانیت
منبعِ نور و ھُدیٰ شمس الضحیٰ سب کے لئے

ہے ازل سے تا ابد اک چہرۂ وحدانیت
رحمۃ للعالمینؐ ہیں مصطفیٰؐ سب کے لئے

آپؐ نے ہر قول سے قرآن کی تفسیر کی
فعل بھی قرآن تھا بدرالدجیٰ سب کے لئے

رات کی تاریکیوں میں کنکروں پہ سجدہ ریز
چشم تر، پُر درد دل، دستِ دعا سب کے لئے

آپؐ محروموں غریبوں بے کسوں کے دستگیر
ماں سے بڑھ کر مہرباں درد آشنا سب کے لئے

دنیا والے اب بھی سرگرداں ہیں رہبر کے لئے
آپؐ کو حق نے بنایا پیشوا سب کے لئے

آنے والا خواہ کسی مذہب کسی مسلک سے ہو
آپؐ کا دروازہ رہتا ہے کھلا سب کے لئے

عزیزہ نعیمہ کی یاد میں

زبیدہ بیگم اہلیہ کریم احمد نعیم صاحب (مرحوم)

میری پیاری نند نعیمہ بیگم صاحبہ، حضرت ڈاکٹر حمشت اللہ خان صاحبؓ صحابی حضرت مسیح موعودؑ و معالجِ خصوصی حضرت مصلح موعودؓ کی تیسری صاحبزادی تھیں۔ عزیزہ سے میرا دوہرا رشتہ تھا۔ آپ کی سب سے بڑی بہن زینب بیگم صاحبہ میرے والدِ محترم ڈاکٹر شیخ غلام حیدر صاحب کے عقدِ ثانی میں آئیں۔ یہ بابرکت رشتہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے خود کروایا۔ میرے والد ایک شریف النفس، متقی، صالح اور غریب پرور انسان تھے۔ نعیمہ بیگم صاحبہ کے اباجان حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب جو حضرت خلیفہ ثانیؓ کے معالج تھے۔ ان کے بلڈ ٹیسٹ وغیرہ کے سلسلہ میں لاہور ہمارے اباجان کے پاس آتے تھے۔ ان کی تبلیغ سے میرے اباجان نے احمدیت قبول کی اور اپنے خاندان میں اکیلے احمدی ہوئے۔ میری اماں جان اس عرصہ میں وفات پاگئیں۔ ہم سب بہت چھوٹے تھے۔

حضرت مصلح موعودؓ کا ہم پر یہ عظیم احسان ہے کہ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر شیخ غلام حیدر صاحب بہت مخلص ہو کر احمدی ہوئے ہیں۔ ان کے بچے ضائع نہیں ہونے چاہئے۔ انہوں نے حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کو کہا کہ وہ اپنی بیٹی زینب کا رشتہ ان سے کردیں۔ اماں جی اہلیہ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ پہلے تو پریشان ہوئیں لیکن حضرت اماں جانؓ کے تسلی کے دلانے پر کہ "میں نے بھی تو اپنی بیٹی کا رشتہ ایسے کیا ہے" ان کی تسلی ہوئی۔ اور یہ مبارک شادی دارالمسیح میں ہوئی جس کی تیاری میں حضرت اماں جانؓ اور ازواجِ مطہرات حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے حصہ لیا۔ بارات لاہور سے آئی اور سارے مہمان دارالمسیح میں ٹھہرے۔

اللہ تعالیٰ ہماری والدہ ثانی زینب بیگم صاحبہ کے درجات بلند فرمائے (آمین)۔ ان کے آنے سے ہمارے گھر کا ماحول اور بھی پاکیزہ ہو گیا۔ ہمارے اباجان نے بھی آپ کو بہت عزت دی اور ان کا بہت خیال رکھا۔ میرے والد صاحب بفضلِ خدا تحریکِ جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین میں سے تھے۔ اس بابرکت رشتہ کی وجہ سے ہمیں قادیان کے بابرکت ماحول میں جا کر رہنے کا موقع ملتا رہا۔ نانا جان کا گھر ہونے کے باعث اکثر چھٹیوں میں اور جلسہ پر قادیان جانا معمول بن گیا۔ قادیان جا کر نعیمہ اور ان کی بہن ثمینہ کے ساتھ اکٹھے درس سننے جانا، جلسوں پر ڈیوٹیاں دینا بہت یاد ہے۔ جب بھی ہماری نانی جان (اماں جی) حضرت اماں جانؓ کے لئے کچھ کھانے کی چیز بطور تحفہ بھیجتیں تو نعیمہ اور ثمینہ کے ساتھ مجھے بھی ان کی خدمت میں جانے کا موقع ملتا۔ اس طرح حضرت اماں جانؓ کو بہت قریب سے دیکھنے اور ان کی دعائیں لینے کا موقعہ ملا۔ آج تک ان کی آواز کانوں میں گونجتی ہے۔ ہم چک سے دیکھتے کہ اماں جانؓ سو رہی یا جاگ رہی ہیں تو ہمیں کہتیں "بی بی آجاؤ، اندر آجاؤ"۔ حضرت اماں جانؓ کے جنازے میں بھی شامل ہوئی۔ اکثر قادیان میں رہنے کا موقعہ ملتا رہا۔ اس رشتے کے بعد رشتے اور مضبوط ہوتے چلے گئے۔ میرا نکاح نعیمہ بیگم کے بھائی کریم احمد نعیم صاحب سے ہوا۔ اس وقت نانا جان ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کا خاندان ہجرت کے بعد جودھامل بلڈنگ لاہور میں قیام پذیر تھا۔ خاندان حضرت مسیح موعودؑ کی رہائش رتن باغ لاہور میں تھی۔ میرے نکاح کے وقت حضرت اماں جی نے حضرت اُمِ ناصر صاحبہؓ سے درخواست کی کہ نکاح کا جوڑا لے کر جانا ہے اور انگوٹھی آپ نے پہنانی ہے۔ اس طرح اُمِ ناصر صاحبہ نے اپنے ہاتھوں سے انگوٹھی پہنائی اور دُعا کروائی۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ اور حضرت چھوٹی آپا صاحبہ بھی اس مبارک تقریب میں شامل ہوئیں اور اس طرح میں اس نیک خاندان میں آگئی (الحمدللہ) اور حضرت مصلح موعودؓ کی خواہش اور دعا کہ ڈاکٹر غلام حیدر کی اولاد ضائع نہیں ہونی چاہیئے، قبول ہوئی۔ کئی بچے تہجد گزار اور حج وعمرہ کی توفیق پانے والے بنے۔ حضرت مصلح موعودؓ اور ان کی ازواج کی شفقت کے علاوہ اُن کی اولاد سے قریبی تعلق رہا۔ خاص طور پر بی بی امتہ القیوم صاحبہ اور بی بی امتہ الرشید صاحبہ سے بہت قریبی تعلق رہا۔

اس رشتہ کے وقت کریم احمد نعیم صاحب ابھی تعلیم مکمل کر رہے تھے۔ میرے کچھ غیر احمدی امیر رشتہ داروں نے اباجان سے کہا کیا دیکھ کر رشتہ دے رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں اس کی نیکی اور صحابہ کا خاندان دیکھ کر رشتہ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ رشتہ دینی و دنیاوی لحاظ سے بابرکت ثابت ہوا۔ کریم احمد نعیم صاحب انتہائی شفیق انسان تھے۔ انہوں نے زندگی بھر اپنے تمام رشتہ داروں اور سسرالی رشتہ داروں سے بھی ہمیشہ پیار اور محبت کا سلوک روا رکھا۔ ہمیں اور ہماری اولاد کو بھی اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت کی توفیق بخشی۔ میرے میاں بفضلِ خدا پندرہ سال تک بطور امیر ضلع میانوالی جماعتی خدمات بجالاتے رہے۔ مجھے بھی بطور صدر لجنہ اور سیکرٹری مال اللہ نے خدمت کی توفیق دی۔ بچے بھی بفضلِ خدا دین کی خدمت کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ جاری رکھے، آمین۔

اس کے بعد ایک اور رشتہ مضبوط ہوا۔ میری بیٹی امتہ الشافی کا رشتہ میری بڑی نند سلیمہ بیگم صاحبہ کے بیٹے عزیزم ڈاکٹر عبدالمنان صدیقی صاحب شہید سے ہوا اور اس کو شہید کی بیوہ ہونے کا اعزاز ملا۔ آپا سلیمہ صاحبہ حضرت ڈاکٹر صاحب کی دوسری بیٹی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت دانا، عزیزوں کا خیال رکھنے والی اور غریب پرور ہستی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیٹے کو شہادت کا

رتبہ عطا کیا۔اُن کے میاں ڈاکٹر عبدالرحمٰن صدیقی صاحب مرحوم حضرت مسیح موعودؑ کے ارشاد پر میر پور خاص سندھ میں آباد ہوئے اور عرصہ پچاس سال تک دینی خدمات بجالاتے رہے۔ آپا سلیمہ صاحبہ بھی 37 سال تک لجنہ صدر کے فرائض سرانجام دیتی رہیں۔میری بیٹی امتہ الشافی اُن کے شفیق سایہ میں رہی اور خاندان حضرت مسیح کی خدمت اور جماعتی خدمات بجالاتی رہی۔عرصہ چھ سال تک صدر لجنہ میر پور خاص کے فرائض انجام بجالاتی رہی۔اللہ تعالیٰ صحابہ کے اس خاندان کے رشتوں کو مضبوط بناتا چلا جائے۔آمین۔

نعیمہ بیگم کو اپنے بھائی کریم احمد نعیم مرحوم سے بہت پیار تھا اور اس طرح نند بھابی کے رشتے سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیار اور اخلاص و وفا کے رشتہ کو بڑھا دیا۔

نعیمہ بیگم بہت سے اوصاف کی مالک تھیں اور شفیق ہستی تھیں۔امریکہ آنے کے بعد اپنے بیٹے ڈاکٹر اکبر شاہ کے ساتھ پہلے نارتھ کیرولائنا(North Carolina) میں رہیں۔وہاں بھی جماعت میں ہر دلعزیز تھیں اور جماعت کی خدمت بجالاتی رہیں۔ہم بھی ان سے ملنے وہاں گئے۔جب بھی جاتے بڑے پیار سے اپنے ہاتھ سے کھانے بنا کر سموسے وغیرہ بنا کر کھلاتیں اور ہمارا بہت خیال رکھتیں۔اس کے بعد New Orleans نیو آرلینز اور پھر Ohio اوہائیو میں اپنے بیٹے ڈاکٹر اکبر شاہ صاحب اور ان کی فیملی کے ساتھ رہائش پذیر رہیں۔وہاں بھی لجنہ کا کام سرانجام دیتی رہیں۔

اپنے سب عزیز رشتہ داروں اور بہن بھائیوں سے قریبی تعلق رکھتیں۔نیک سلوک ان کا شیوہ تھا۔اپنے بھائی اور مجھ سے اتنا پیار تھا کہ دو دن ہمارے ساتھ بات نہ ہوتی تو فکر کرتیں۔مرحومہ کے ساتھ میرے بچپن کی بہت سی یادیں وابستہ تھیں۔

2007 میں میرے میاں کی وفات، 2008 میں ڈاکٹر عبدالمنان صدیقی شہید کی شہادت، پے در پے صدموں نے ہم دونوں کی صحتوں پر برا اثر ڈالا۔صحت کی کمزوری کی وجہ سے سفر کرنا مشکل ہوگیا۔کم ملاقات ہوتی۔جلسہ پر مل لیتے لیکن فون پر ہمیشہ رابطہ رہتا۔عزیزم منان شہید کی شہادت کے بعد کچھ عرصہ ان کے پاس جا کر رہی تو میرا بہت خیال رکھتیں۔اپنی صحت کمزور ہونے کے باوجود اپنے ہاتھ سے حلوہ یا ایسی کوئی چیز جو میں کھا سکتی، بناتیں اور میری بیٹی امتہ الشافی سے کہتیں کہ امی کے لئے لے جاؤ۔

اگرچہ اس بات کا بہت دکھ ہے اور تا زندگی رہے گا کہ میں ان کے جنازہ میں شامل نہ ہوسکی اور آخری دیدار نہ کرسکی، لیکن صرف اس بات سے تسلی ہوتی ہے کہ ان کی وفات کے وقت (تدفین سے پہلے) اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ دعا ان کے لئے مسجدِ نبوی میں جا کر کرنے کی توفیق عطا فرمائی: یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ..... وادخلی جنتی (سورۃ الفجر)۔یہ دعا ہر روز اپنے لئے خود بھی کرتی تھیں اللہ تعالیٰ ان کے حق میں میری یہ دعا قبول فرمائے اور میری پیاری نعیمہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین۔وفات سے کچھ عرصہ پہلے فون پر بات کرتے ہوئے میں نے نعیمہ سے کہا کہ یہ کتنی اچھی دعا ہے تو کہنے لگی ''باجی میں تو روز اپنے لئے یہ دعا کرتی ہوں''۔

جب آخری ایام میں ان کا اچانک آپریشن ہوا اور وہ ہسپتال میں تھیں، میرا بچوں کے ساتھ عمرہ پر جانے کا پروگرام بن چکا تھا۔ان کی طرف سے بہت فکر اور پریشانی تھی۔خود میری صحت بھی بہت کمزور ہوگئی تھی۔حضرت ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں دعا اور اجازت کا خط لکھا اور سفر پر روانہ ہوئے۔تمام سفر دعاؤں میں گزارا۔جدہ سے مکہ مکرمہ پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے فضل سے عمرہ ادا کیا۔ان کی صحت اور زندگی کے لئے دعا کرتے رہے۔اگلے دن مکہ مکرمہ سے فون ملایا تو اطلاع ملی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے طبیعت بہتر ہے۔تیسرے روز مدینہ شریف کے لئے روانہ ہوئے۔مکہ سے مدینہ کے سفر کے دوران ان کی وفات کی اطلاع ملی۔انا للہ و انا الیہ راجعون۔بچوں نے سفر کے دوران مجھے نہیں بتایا کہ امی کی طبیعت اور نہ خراب ہو جائے سفر بھی لمبا ہے۔ہوٹل پہنچ کر کوشش کرتے رہے کہ شاید کوئی واپسی کی فلائیٹ مل جائے لیکن اتنے سارے لوگوں کے لئے انتظام ناممکن تھا۔وہ جمعہ کا دن تھا۔ہم نمازِ جمعہ کی ادائیگی، نوافل اور اس کے بعد نمازِ عصر ادا کر کے دعائیں کرتے رہے۔کہتے ہیں کہ جمعہ کے روز قبولیتِ دعا کی ایک گھڑی آتی ہے، میں نعیمہ کی صحت کے لئے دعا کرنے لگی تو یہی دعا بار بار میرے منہ پر آتی کہ ''یاایتھا النفس المطمئنۃ (سورۃ الفجر)۔میں گھبرائی کہ میں تو اس کی صحت اور زندگی کی دعا کر رہی ہوں اور یہ دعا کیوں بار بار میرے منہ پر آرہی ہے۔بہرحال دعائیں کرتے رہے، اگلی صبح واپسی تھی۔بچوں نے ائر پورٹ جا کر Ohio جانے کا ذکر کیا تو میں سمجھ گئی کہ یہ تو نعیمہ کی جدائی کی خبر ہے۔اناللہ و انا الیہ راجعون۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا　　اسی پہ اے دل تُو جاں فدا کر

میرے خیال میں نعیمہ کے لئے ایسی دعا مسجد نبوی میں جا کر ہونا اس بات کی دلیل ہے اور انشاءاللہ ضرور اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور قبولیت کا درجہ پائے گی۔اللہ تعالیٰ میری نعیمہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین۔

پیارے ڈاکٹر اکبر شاہ جنہوں نے ایک فرمانبردار اور خدمت گزار بیٹا ہونے کا حق ادا کر دیا، اللہ تعالیٰ انہیں صبرِ جمیل عطا فرمائے۔اپنی والدہ کی سب دعاؤں کا وارث بنائے، اسے اور اس کی بیوی بچوں کو دینی و دنیاوی برکات سے نوازے۔آمین۔

جب میری بیٹی امتہ الشافی اپنے میاں ڈاکٹر عبدالمنان شہید کی شہادت کے بعد امریکہ آئی تو نعیمہ نے مجھے بڑے پیار سے کہا،''باجی ہم سب پہلے بھی اکٹھے رہتے تھے، انہیں میرے پاس ہی رہنے دیں''۔عزیزہ اور اس کے بچوں کا خاص خیال رکھتیں۔اللہ تعالیٰ ان کے خاندان کو اجرِ عظیم سے نوازے اور یہ تعلق اور رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے چلے جائیں۔ان کی چھوٹی بہن ثمینہ بیگم جو حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں، بفضلِ خدا حیات ہیں اور اپنے میاں عبدالشکور صاحب کے ساتھ نیوجرسی میں مقیم ہیں۔اللہ تعالیٰ ان دونوں کی عمر میں صحت کے ساتھ برکت عطا فرمائے۔ان کی بیٹی مریم سعدیہ، جو نعیمہ کی بہو ہیں، انہیں اپنی خالہ کی خدمت کی توفیق ملی۔وہ صدر لجنہ کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔اللہ تعالیٰ صحابہ کے اس خاندان کو نسلاً بعد نسل راہِ حق پر چلنے کی توفیق دیتا چلا جائے۔آمین۔اور ہم سب کو اطاعتِ خلافت جس کا وہ خود نمونہ تھیں، کی توفیق عطا فرماتا جائے، آمین۔

(ٹائپنگ: شازیہ سیّد)

نعت

ڈاکٹر فہمیدہ منیر

میں اپنے حوالے سے تیرے لئے کیا لکھوں
دنیا سے الگ ہولوں تب صلِ علےٰ لکھوں
لفظوں میں کہاں طاقت ،سب ہیچ ہیں ادنیٰ ہیں
اے کاش تری خاطر اک حرفِ رسا لکھوں

وہ جود و سخا لکھوں وہ فہم و ذکاء لکھوں
کردار کی وہ عظمت یا شرم و حیا لکھوں
لکھتی ہی رہوں گی میں اک عمر اگر لکھوں
دنیا نے جو لکھا ہے میں اس سے سِوا لکھوں

اے کاش میری آنکھیں اُس نور کو پا سکتیں
گزرے ہوئے وقتوں کو یاں کھینچ کے لا سکتیں
تب اپنی بصارت پر شاید کہ یہ اتراتیں
یہ نور کے جلوے پھر دنیا کو دکھا سکتیں

کچھ باتیں حقیقت کی کچھ باتیں فسانے کی
ہر روز ہی سنتی ہوں میں باتیں زمانے کی
یہ کان اگر میرے آواز تیری سنتے
پھر بات میں لکھ پاتی شاید کہ ٹھکانے کی

تپتے ہوئے صحرا میں ہر روز اگر جلتے
چلتے ہی چلے جاتے ہرگز نہ کبھی تھکتے
میں چلتی چلی جاتی چلتی ہی چلی جاتی
اے کاش تیری خاطر یہ پاؤں میرے چلتے

برسات نہیں ہوتی ملہار سناتے ہیں
آواز کے جادو کا سُر لوگ جگاتے ہیں
تو مجھ کو نظر آتا میں گیت تیرے گاتی
محبوب بنا کیسے سب لوگ یہ گاتے ہیں

میں رنگ بھرا پرتو، تو پیار کا خاکہ ہے
تو میرا محمدؐ ہے تو ہی میرا آقا ہے
لوگو دل و جاں سے ہوں شیدائی محمدؐ کی
وہ ملجیٰ و ماویٰ اور قرآن میرا کعبہ ہے

دم سادھے کھڑا تھا جب میخانوں میں ہر کاہن — بت خانوں کے بت ٹوٹے اس طرح دیا درشن
جب قیصر و کسریٰ کے ہاتھوں میں پسینہ تھا — دیپک کی طرح جل کر صحرا کو کیا روشن

دل میں نے سجایا ہے آنکھوں کو بھگویا ہے — دکھ درد کے جذبوں کو اس دل میں سمویا ہے
ہے نام محمدؐ میں تسکین دل و جاں کی — اس نام کی تسبیح کو اشکوں سے پرویا ہے

میں خاکِ کفِ پا ہوں، اِک ادنیٰ سی ہستی ہوں — احکام تیرے سارے سر آنکھوں پہ رکھتی ہوں
ماریں گے بھلا مجھ کو کیا لوگ یہ دیوانے؟ — اس نام پہ جیتی ہوں اس نام پہ مرتی ہوں

آ جا، مری گلیوں میں صدیوں سے اندھیرے ہیں — بجلی بھی چمکتی ہے بادل بھی گھنیرے ہیں!
کیوں میری ہی قسمت میں ظلمات کے گھیرے ہیں — یہ رات بھلا کب تک ؟ کیوں دور سویرے ہیں

وہ نور بھرا چہرہ دکھلانے کو پھر آ جا — اس دین کی عظمت کو منوانے کو پھر آجا
اس دور کے بدّو ہیں صحراؤں میں بیٹھے ہیں — صدیاں ہوئی روتے ہیں بہلانے کو پھر آجا

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ نے چند مہمانوں کی دعوت کی اور ان کے واسطے گھر میں کھانا تیار کروایا۔ مگر عین جس وقت کھانے کا وقت آیا اتنے ہی اور مہمان آ گئے اور مسجد مبارک مہمانوں سے بھر گئی۔ حضرت صاحبؑ نے اندر کہلا بھیجا کہ اور مہمان آ گئے ہیں کھانا زیادہ بھجواؤ۔ اس پر بیوی صاحبہ نے حضرت صاحبؑ کو اندر بلوا بھیجا۔ اور کہا کہ کھانا تو تھوڑا ہے صرف چند مہمانوں کے مطابق پکایا گیا تھا جن کے واسطے آپ نے کہا تھا مگر شاید باقی کھانے کا تو کچھ کھینچ تان کر انتظام ہو سکے گا لیکن زردہ تو بہت ہی تھوڑا ہے اس کا کیا کِیا جاوے۔ میرا خیال ہے کہ زردہ بھجواتی ہی نہیں صرف باقی کھانا نکال دیتی ہوں۔ حضرت صاحب نے فرمایا نہیں یہ مناسب نہیں۔ تم زردہ کا برتن میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ حضرت صاحب نے اس برتن پر رومال ڈھانک دیا اور پھر رومال کے نیچے اپنا ہاتھ گزار کر اپنی انگلیاں زردہ میں داخل کر دیں اور پھر کہا اب تم سب کے واسطے کھانا نکالو خدا برکت دے گا۔ چنانچہ زردہ سب کے واسطے آیا اور سب نے سیر ہو کر کھایا۔''

''سیٹھی غلام نبی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں حضرت اقدسؑ کی ملاقات کے لئے قادیان آیا۔ سردی کا موسم تھا اور کچھ بارش ہو رہی تھی۔ میں شام کے وقت قادیان پہنچا تھا۔ رات کو جب میں کھانا کھا کر لیٹ گیا اور کافی رات گزر گئی اور قریباً بارہ بجے کا وقت ہو گیا تو کسی نے میرے کمرے کے دروازہ پر دستک دی۔ میں نے اُٹھ کر دروازہ کھولا تو حضرت اقدسؑ کھڑے تھے۔ ایک ہاتھ میں گرم دودھ کا گلاس تھا اور دوسرے ہاتھ میں لالٹین تھی۔ میں حضرت صاحبؑ کو دیکھ کر گھبرا گیا مگر آپ نے بڑی شفقت سے فرمایا کہیں سے دودھ آ گیا تھا میں نے کہا کہ آپ کو دے آؤں۔ آپ یہ دودھ پی لیں۔ آپ کو شاید دودھ کی عادت ہوگی۔ اس لئے یہ دودھ آپ کے لئے لایا ہوں۔۔۔ میری آنکھوں میں آنسو امڈ آئے کہ سُبحان اللہ کیا اخلاق ہیں۔ یہ خدا کا برگزیدہ اپنے ادنیٰ خادموں تک کی خدمت اور دلداری میں کتنی لذت پاتا اور کتنی تکلیف اٹھاتا ہے!!''

(الفضل انٹرنیشنل 23-29/جولائی 1999)

حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ

بشریٰ بشیر

خلفاء کا کام انبیاء کے کاموں کی بُنیادوں کو مضبوط کرنا اور اُنکے جاری کردہ اُمور کو آگے بڑھانا ہوتا ہے۔ اگر اُن سے وابستہ افراد اُن سے تعاون نہ کریں یا اُنکے مقاصد کے حصول میں کسی قِسم کی روک بن جائیں تو وہ اِطمینان سے سِلسلہ کی ترقی کے کاموں کی طرف توجہ نہیں دے سکتے۔ گردوپیش کے تمام لوگ، اہلِ خانہ کے سبھی افراد خصوصًا رفیقِ حیات اگر بھرپُور تعاون نہ کرے تو ذہنی و قلبی سکون کی بجائے پریشانی کا باعث بن جائے گی۔

تاریخ شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص نُصرت یافتہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ ساتھی بھی اعلیٰ درجہ کے عطاء فرماتا ہے۔ مثلاً حضرت خدیجہؓ نے اپنی تمام تر دولت اپنے قابلِ رشک شوہر کے قدموں پر نثار کردی۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی تمام تر محبت اور علم و فضل کو اپنے عظیم المرتبت خاوند کے لیے وقف کر دیا حتّٰی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدھا دین عائشہ سے سیکھو''۔

اِسی سُنت کے مُطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو حضرت سیّدہ نُصرت جہاںؓ جیسی ہمہ تن اَوصاف رفیقہء حیات سے نوازا اور نہایت مبشر اور صالح اَولاد عطاء فرمائی جسکا نُقطہء عروج حضرت مُصلح موعودؓ جیسا گوہرِ آبدار منظرِ عام پر آیا۔ آپ کی تمام اَزواجِ مطہرات بحیثیتِ مجموعی نہایت اعلیٰ اَوصاف اور اَخلاق کی حامل تھیں لیکن عِلمی لحاظ سے حضرت مریم صدیقہ نمایاں تھیں۔

حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ (المعروف چھوٹی آپا صاحبہ اُمّ متین) بنت حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ سے حضرت مُصلح موعودؓ کا نکاح حضرت مُفتی محمد صادق صاحب نے پڑھایا۔

مکرمہ موصوفہ آپا جان نے ایک طویل مضمون (۱۰ صفحوں پر مشتمل) اپنی شادی کے بعد لکھا جو سوانح فضلِ عمرؓ جلد پنجم کے صفحہ ۳۵۲ پر شائع شُدہ ہے۔ اُسکے چند اقتباس خاکسار پیش کرنا چاہتی ہے۔ آپ لکھتی ہیں کہ ''میری شادی ۳۰ ستمبر ۱۹۳۵ء کو ہوئی۔ میرے ابّا جان نے پیدا ہوتے ہی مُجھے وقف کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنکی قربانی کو قبول فرمایا اور مُجھے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت کا ایک لمبے عرصے تک موقع دیا اور کسی حد تک سلسلہ کی خدمت کا بھی! میری عُمر شادی کے وقت سترہ سال تھی۔ شادی کے وقت میرے ابّا جان نے نہایت زرّیں نصائح لکھ کر دیں۔ اِن نصائح اور شادی کے معًا بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی آرزو دونوں نے مِل کر سونے پر سُہاگہ کا کام کیا اور میری زندگی کا نصب العین صِرف اسلام کی خدمت اور حضرت مُصلح موعودؓ کی اطاعت بن کر رہ گیا۔ آپکی تربیت کا رنگ عجیب تھا۔ آہستہ آہستہ اپنی مرضی کے مطابق ڈھالتے چلے گئے۔ شادی کے بعد بی۔ اے پاس کرنیکے بعد دینی تعلیم کا سلسلہ شروع کروایا۔ قرآن مجید خود پڑھانا شروع کیا لیکن سبقًا سارا اُن سے نہیں پڑھا۔ چند ابتدائی اور آخری دو پارے پڑھائے۔ باقی ماندہ عورتوں اور مردوں میں جو درس ہوتا وہ باقاعدہ سُن کر نوٹ لیتی تھی۔ وقتًا فوقتًا آپ نے جو مضمون لکھوانا ہوتا عمومًا مُجھ سے ہی اِملا کرواتے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد تو ہر تقریر اور ہر مضمون مُجھ سے ہی اِملا کروایا حتیٰ کہ تفسیر صغیر کے اکثر حِصّہ کا مسّودہ مجھ سے ہی اِملا کروایا۔

تقریر کرنا بھی خود ہی سکھایا۔ ہر جلسہ سالانہ کے موقع پر جب تقریر فرمانے کے لیے جانے لگتے تو کہا کرتے تھے کہ میری تقریر کے نوٹس ضرور لینا۔ میں آکر دیکھوں گا۔ اِسطرح آہستہ آہستہ تیز لکھنے کی مشق ہوتی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا، کتنا ہی تیزی سے مضمون لکھواتے لکھ لیتی تھی۔ عربی کی صَرف ونحو مکمل آپ نے خود پڑھائی اور ایسے عجیب اور سادہ طریقے سے پڑھائی کہ کبھی مشکل ہی نہ لگی۔ اِسکی مدد سے عربی مضمون آسان ہوگیا۔ آپ نے ایم۔ اے عربی نہ صرف فرسٹ ڈویژن بلکہ اوّل آکر گولڈ میڈل لیکر پاس کرلیا۔

یہ مضمون حضرت مُصلح موعودؓ کے نہایت نادر اور قابلِ رشک پہلوؤں کا عکاس ہے۔ اللہ تعالیٰ سے عِشق، رسولِ کریم ﷺ سے اور قُرآن مجید سے عشق۔ حضرت مسیح موعودؑ سے محبت، حضرت اُمُّ المومنین (امّاں جان) کا عزّت و احترام، بھائی بہنوں سے محبت، اَولاد سے شفقت، افرادِ جماعت اور سلسلہ احمدیہ سے محبت اور صداقتِ اسلام پھیلانے کی شدید تڑپ وغیرہ ایسے قابلِ تعریف سیرت کے پہلو اُجاگر کیے ہیں جو تعریف و توصیف سے بالا ہے۔

یہ مضمون جسکا تذکرہ سطورِ بالا میں ہوا ہے۔ میرے موضوع سے براہِ راست متعلق نہیں تاہم اس کا نہایت اِختصار سے اس لیے ضمنًا ذکر کیا گیا ہے کہ کسطرح

سترہ برس کی نوبیاہتا بیوی کی ذہانت اور خوش اخلاقی کو حضرت مُصلح موعودؓ نے تعلیمی اور دینی خِدمات میں ڈھال کر اُسے آسمانِ احمدیت کا ایک اور درخشندہ ستارہ بنادیا۔

حضرت سیّدہ مریم صدیقہ کا خاکسار کے ساتھ تعلق

جامعہ نُصرت ربوہ سے ۱۹۵۸ء میں خاکسار نے بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔اُس کے بعد پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم۔اے اسلامیات کا امتحان دینے کے بعد ملتان چلی گئی۔وہاں پر اُن ایّام میں میرے میاں بشیر احمد صاحب واپڈا پاور اسٹیشن پیراں غائب میں متعین تھے۔ایک سال بعد حضرت سیّدہ ممدوح اور بیگم فرخندہ اختر شاہ صاحبہ (پرنسپل جامعہ نُصرت ربوہ) نے اِس خواہش کا اِظہار کیا کہ کالج میں اِسلامیات کی لیکچرار کی ضرورت ہے لہٰذا تم ربوہ آجاؤ۔ہم میاں بیوی نے باہم مشورہ کے بعد فیصلہ کیا کہ اِن دونوں معزز ہستیوں کی خواہش پر انکار کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ویسے بھی اَب بچوں کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہونیوالا ہے لہٰذا ربوہ کے قیام کا دینی ماحول بچوں کے لیے سازگار ثابت ہوگا۔

اپریل ۱۹۶۱ء میں دو بیٹوں بعمر چھ اور پانچ سال اور دو بیٹیوں ڈیڑھ سال اور دو ماہ کو لے کر ربوہ آگئی۔اِنہی ایّام میں میری ہمشیرہ کویت سے اپنے چار بچوں کو (جو قریبًا انہی عمروں کے تھے) لے کر پاکستان آگئی تھیں۔وہ بھی ربوہ چلی آئیں اور باہمی رضامندی سے ہم دونوں مشترکہ مکان میں رہائش پذیر ہوگئیں۔

مئی ۱۹۶۱ء میں خاکسار نے جامعہ نُصرت میں ملازمت کا سلسلہ شروع کر دیا۔حضرت سیّدہ صاحبہ صدر لجنہ مرکزیہ کے علاوہ جامعہ نُصرت کی ڈائریکٹرس بھی تھیں۔اِس سلسلہ میں وہ اکثر و بیشتر کالج تشریف لایا کرتی تھیں لہٰذا جلد ہی خاکسار کا اُن سے تعارف ہوگیا۔ابتدائی چند ماہ کے اندر ہی آپ نے مجھے سیکرٹری تعلیم مقرّر فرما دیا۔پاکستان کی تمام لجنات کے امتحانی پرچہ جات جانچنے کی ذمہ داری خاکسار کی متصوّر ہوتی تھی۔کالج کی ایف۔اے اور بی۔اے کی چاروں کلاسز کے ساتھ ساتھ یہ سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ میری ہمشیرہ صاحبہ تو پُوری توجّہ اور شفقت کے ساتھ اپنے اور میرے بچوں کی ذمہ داریاں ایک ملازمہ کی مدد سے سنبھال چکی تھیں۔البتہ میری نوزائیدہ بیٹی کی ذمہ داری بچوں کی تائی امّاں نے بڑی خوشی سے سنبھال لی جو کہ ہمارے گھر کے متصل مکان میں رہائش پذیر تھیں اور درمیان میں دروازہ ہونے کی وجہ سے مزید سہولت ہوگئی۔اِس طرح میں بچوں کی طرف سے تمام دن کے لیے بےفکر ہوگئی۔جزاھما اللہُ اَحسن الجزاء

دوسری سہولت یہ تھی کہ کالج اور لجنہ اماء اللہ کی عمارتیں مُلحق تھیں لہٰذا کالج سے فارغ ہوکر بآسانی وہاں پر جاسکتی تھی۔حضرت سیّدہ صدر صاحبہ بھی قریبًا روزانہ ہی دفتر لجنہ میں تشریف لاتیں لہٰذا روزمرّہ کے ضروری اُمور زیرِ بحث آجاتے۔خاکسار کی معلومات اِن اُمور میں ابتداًء صِفر تھی پھر قدم بقدم راہ نمائی حاصل کرتی گئی اور آہستہ آہستہ اِس قابل ہوگئی کہ کُل پاکستان کی شہری اور دیہاتی لجنات کی طرف سے آمدہ رپورٹوں کو مُرتّب کر کے حضرت سیّدہ صدر صاحبہ کی خدمت میں بغرض ملاحظہ پیش کرسکوں۔بیرون از پاکستان کی باقی چیدہ چیدہ لجنات کی رپورٹیں الگ جمع کی جاتیں۔جن کو مرتّب کرنے کی ذمہ داری الگ سیکرٹری کی تھی۔اس کے لیے ابتداءً مکرمہ فرخندہ اختر شاہ صاحبہ اور بعد ازاں بیگم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحبہ مقرّر ہوئیں۔

ماہانہ رپورٹوں کی تیاری کے علاوہ لجنہ مرکزیہ کے ماتحت دورانِ سال جو سالانہ تقریبات منعقد ہوتیں اُنکی تیاری اور انتظامات کی ذمہ داری بھی مجلس عاملہ کی ممبرات کی ہوتی۔علاوہ ازیں سالانہ اہم تقریبات میں کل پاکستان کی تمام تر شہری اور ہر ضلع کی دیہاتی لجنات کو شمولیت کی تحریک کی جاتی جو عمومًا بڑے شوق سے حصہ لیتیں۔یہ سالانہ تقریبات مندرجہ ذیل تھیں:۔

۱: جلسہ سالانہ (جماعت کا۔خواتین کی جلسہ گاہ الگ تیار ہوتی جسمیں خلیفہ وقت ایک تقریر خواتین کے لیے اُنکی جلسہ گاہ میں تشریف لاکر فرماتے۔)
۲: سالانہ اجتماع (کُل پاکستان)۔اس میں ناصرات الاحمدیہ اور لجنہ اِماء اللہ کے تقریری انعامی مقابلہ جات ہوتے۔
۳: سپورٹس یعنی ناصرات اور لجنہ کی کھیلوں کے انعامی مقابلہ جات۔

مندرجہ بالا تقریبات وسیع پیمانہ پر خصوصی انتظامات کی متقاضی ہوتیں لہٰذا متعلقہ سیکٹریان خصوصًا اور مجلس عاملہ کی تمام ممبرات عمومًا اس میں حصہ لیتیں۔لہٰذا قریبًا تمام مجلسِ عاملہ کی ممبرات عام طور پر مدد کے لیے دستیاب ہوتیں۔

خاکسار اس ضمن میں اپنی مصروفیات کا ذکر مختصرًا کرنا چاہے گی۔

سالانہ جلسہ (جماعتی)

اِس سلسلہ میں جلسہ گاہ کی تیاری مرد حضرات کی ہوتی لیکن سٹیج کے انتظامات کے لیے الگ سٹیج سیکرٹری مقرّر کی جاتی۔سٹیج سے متعلقہ ضروری اُمور کا جائزہ لیتی تاکہ معزز مہمان خواتین کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔علاوہ ازیں کئی سال تک خاکسار ہی سٹیج سے تمام اعلانات کرتی رہی۔اس لیے کہ سیّدہ صدر صاحبہ نے جنرل سیکرٹری کا عُہدہ تفویض کر کے یہ عمومی ذمہ داریاں ادا کرنا خاکسار ہی کو ادا کرنے کی ہدایت کررکھی تھی۔

کُل پاکستان سالانہ اجتماع لجنہ برائے تقریری مقابلہ جات

ویسے تو جو وقت حضرت سیّدہ صدر صاحبہ کی معیت میں گذرتا۔وہ نہ صرف خوشگوار ہوتا بلکہ معلومات سے بھرپور اور نئے تجربات کا حامل ہوتا۔لیکن اجتماع کے تین چار روز تو اس قدر مُسلسل کام ہوتا کہ ساری سُستی دور ہوجاتی۔ایک لحاظ سے یہ بے تکان کام کرنے کی عملی تربیت ہوتی۔دورانِ مصروفیت ہرگز کسی قسم کی بوریت کا احساس تک نہ ہوتا۔ویسے تو میری سابقہ زندگی بھی گھریلو مصروفیت اور بچوں کی ذمہ داریوں کے ساتھ، پڑھائی کا سلسلہ جاری رکھنے کی وجہ سے لگاتار کام کی آئینہ دار تھی۔لیکن یہ

عجیب قسم کی پُر لطف اور بابرکت مصروفیت تھی جسکو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اِتنا طویل عرصہ گذر جانے کے باوجود آج بھی جب کبھی اُن ایّام کا خیال آتا ہے جو آپ کی ہمراہی میں گذرتے تھے تو دل و دماغ معطّر اور منور ہو جاتے ہیں۔

اجتماع کے تین دِن جو مقابلہ جات کی لیے مخصوص ہوتے اُن کے لیے حضرت سیّدہ چھوٹی آپا صاحبہ دفتر لجنہ کا ایک کمرہ خالی کروا کے اس میں اپنا عارضی دفتر اور رہائش کا سامان منتقل کروا لیتیں۔ دو بستر لگواتیں، ایک اپنے لیے اور دوسرا خاکسار کے لیے۔ یہ ایّام میری تربیت کا اہم ترین حصہ ثابت ہوتا۔ ناشتہ، دونوں وقت کا کھانا اور چائے وغیرہ کا سامان آپ کے گھر سے آتا (جو قریب ہی تھا)۔ کُل پاکستان کی سینکڑوں نمائندگان کے قیام وطعام کا جائزہ لینے اور دیگر ضروری انتظامات کو چیک کرنے کے لیے (مختلف اوقات میں) وہاں تمام وقت موجود رہنا ضروری تھا تا کہ کسی فوری ضرورت کا انتظام کروانے کے لیے مکرمہ ومحترمہ صدر صاحبہ خاص حکم دے سکیں۔

اجتماع کے ہر طرح کے مقابلہ جات وقفوں سے جاری رہتے اور جیتنے والی ناصرات و لجنہ کی ممبرات کی فہرستیں متعلقہ سیکرٹریان تیار کرتی رہتیں۔ رات کو فارغ ہو کر تمام دن کی کاروائی کی رپورٹ خلیفہ وقت کو بھجوانی ہوتی جو کہ خاکسار تیار کر کے مکرمہ موصوفہ کی خدمت میں پیش کر دیتی۔ آپ ملاحظہ فرما کر کمی بیشی سے متعلقہ نکات کی نشاندہی فرماتیں جو کہ میرے لیے اہم تربیت کے پیش قیمت موتیوں سے کم نہ ہوتے۔

طعامِ شب، نمازوں اور ضروریات سے فارغ ہو کر خادمہ اور مخدومہ بستر پر آرام کے لیے لیٹ جاتیں۔ اُس وقت بھی خاکسار اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتی کہ تمام دن کی قُربت کے علاوہ رات کو اس قدر دِلی راحت کا موقع عطاء ہونا اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور عنایت ہے۔ جسکا جتنا بھی شُکر کیا جائے کم ہے۔

لجنہ اماء اللہ کے ضلعی دورہ جات

حضرت سیّدہ چھوٹی آپا صاحبہ دورانِ سال تین چار ضلعوں کے تربیتی دورہ جات فرماتیں۔ خاکسار کو بھی چند دورہ جات میں آپ کی ہمراہی کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ دورہ جات نہ صرف تعلیمی اور تربیتی لحاظ سے نہایت مفید ہوتے بلکہ کئی ایک پہلوؤں سے عملی زندگی کے نُقطہ نظر سے میرے لیے یادگار ہیں۔ اِن میں سے چند ایک کا ذکر بطور نمونہ کرنا چاہوں گی۔ مثلاً مُلتان، شیخو پورہ اور فیصل آباد وغیرہ۔

ا۔ مُلتان

اُن دِنوں میرے میاں بشیر احمد صاحب واپڈا پاور سٹیشن پیراں غائب میں بطور کیمیکل انجینئر کام کر رہے تھے۔ خاکسار سے درخواست کی کہ وہاں ہمارے غریب خانہ میں قیام فرمائیں تو وہاں پر جلسہ سیرت النبی ﷺ کا اِنتظام وسیع پیمانہ پر بآسانی ہو جائے گا۔ آفیسر کالونی میں رہائش پذیر تمام خواتین کے علاوہ مُلتان شہر اور ضلع کی تمام لجنات کو مدعو کر لیا جائے گا۔ چنانچہ محترمہ موصوفہ کی طرف سے سب کو اطلاع کر دی گئی۔ ہم دونوں بذریعہ ٹرین عازمِ سفر ہوئیں۔ حضرت سیّدہ صاحبہ نے راستے میں کھانے اور چائے وغیرہ کا سامان ہمراہ رکھوایا ہوا تھا۔ یہ پہلو آپ کی انتظامی صلاحیت کا غماز ہے۔ اس سلسلہ میں خاکسار آپکی سادگی کی ایک مثال پیش کرنا چاہتی ہے جو ابھی تک (۴۰ سال سے زائد عرصہ گذر جانے کے باوجود) فراموش نہیں کر سکی۔ ٹفن کیریر کھولنے پر دیکھا کہ بجائے پُرتکلف کھانے کے نہایت سادہ کھانا موجود تھا۔ آپ نے دسترخوان پر چند روٹیاں رکھیں اور ڈبّے میں جو پکوڑے رکھے ہوئے تھے نِکالے۔ پھر روٹی کے اُوپر چند پکوڑے رکھ کر نہایت بےتکلفی سے کھانا شروع کر دیا۔ آپ کی ہمراہی میں یہ کھانا آج تک فراموش نہیں کر سکی جو اپنی لذّت اور سادگی میں بے مثال تھا۔ دُنیائے احمدیت کی یہ خاتون جو اپنے علم و فضل اور تقوی میں بے مثال تھی اپنی بے تکلفی میں بھی کوئی ثانی نہیں رکھتی تھی۔

سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر حضرت سیّدہ چھوٹی آپا صاحبہ کی تقریر بے حد پسند کی گئی اور تمام تعلیم یافتہ خواتین پر گہرا اثر ہوا۔ کیوں نہ ہوتا اِس طبقہ کی خواتین تو اپنے لباس اور رکھ کے علاوہ اور کسی چیز کی عادی نہ تھیں۔ بہر کیف اس تقریر کا اعلیٰ تاثر دیر تک قائم رہا۔ خصوصاً احمدیت کے بارے میں غلط پروپیگنڈا (کہ یہ لوگ محمد ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے) کا قلع قمع ہو گیا۔

فیصل آباد کا دورہ بھی نہایت کامیاب رہا۔ اس کا انتظام فیصل آباد کی وسیع و عریض مسجد میں کیا گیا تھا۔ فیصل آباد کے امیر صاحب کا اثر و رسوخ نہ صرف شہر تک محدود تھا بلکہ ضلع کے لوگوں پر بھی مسلّم تھا۔ یہاں پر بھی سیّدہ چھوٹی آپا صاحبہ کی تقریر بہت مؤثر رہی۔ جس نے وقتی طور پر مثبت اثر چھوڑا۔

ضلع شیخو پورہ کا دورہ بھی ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔ ضلعی لجنات کی میٹنگ کے بعد امیر صاحب کے گھر پر جلسہ سیرت النبی ﷺ کے جلسہ کا انعقاد ہوا۔ جس میں غیر از جماعت خواتین کو مدعو کیا گیا تھا جو خلافِ معمول کثیر تعداد میں آئیں۔ اِسکی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی تھی کہ امیر صاحب شیخو پورہ کا اپنے علاقہ میں بہت اثر و رسوخ تھا۔ حضرت سیّدہ محترمہ کی تقریر بھی حسبِ معمول بہت مؤثر تھی۔

مندرجہ بالا دوروں کے علاوہ حضرت سیّدہ چھوٹی آپا صاحبہ کی ہمراہی میں مندرجہ ذیل دوروں پر جانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ دورے بھی نہایت اعلیٰ نتائج کے حامل رہے۔ طوالت کے باعث ان کا تفصیلی ذکر نہیں کرنا چاہتی جو مندرجہ ذیل دورہ جات تھے:۔

لاہور۔ اِسلام آباد۔ پشاور۔ سیالکوٹ وغیرہ۔ بحیثیتِ مجموعی یہ دورہ جات میرے علم اور عملی تربیت کے لحاظ سے ایک قابلِ قدر اضافہ ثابت ہوئے۔

سالانہ رپورٹ لجنہ اماء اللہ پاکستان وانٹرنیشنل

پاکستان بھر کی شہری وضلعی لجنات کی سالانہ کارکردگی پر مشتمل رپورٹ کے

علاوہ دُنیا بھر کی اُن لجنات کی طرف سے رپورٹیں موصول ہوتیں جو کہ لجنہ اماءاللہ کے با برکت نظام میں شامل تھیں۔انٹرنیشنل لجنات جو اپنی رپورٹ انگریزی میں بھجواتیں۔اُن کے لیے مکرمہ فرخندہ اختر شاہ صاحبہ ابتداء کام کرتی رہیں لیکن بعد میں بیگم مرزا مبارک احمد صاحبہ بیرونِ ملک لجنات کی رپورٹوں کو مُرتّب کرنے پر متعین کی گئیں اور انگریزی کی رپورٹ الگ شائع ہوتی۔

اُردو کی تمام تر سالانہ رپورٹیں خاکسار مُرتّب کر کے حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ کے حضور پیش کرتی جس کو ملاحظہ فرمانے اور کسی اضافہ یا ترمیم کے بعد اس کو چھپوانے کی اجازت ہوتی۔

۱۹۷۲ء میں حالات نے غیر متوقع طور پر نئی کروٹ لی۔

تفصیل اِس اجمال کی یہ ہے کہ ۱۹۷۲ء میں تمام تعلیمی ادارے قومیا لیے گئے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ربوہ کے تمام ادارے یعنی لڑکیوں کے کالج اور لڑکوں کے کالج مع تمام سکولوں کے اِس تبدیلی سے متاثر ہوئے۔دوسرے لفظوں میں غیر احمدی سٹاف ربوہ میں بھجوایا جانے لگا اور احمدی سٹاف پنجاب کے دوسرے شہروں میں تبادلے کے طور پر بھجوایا جانے لگا۔

مکرمہ فرخندہ اختر شاہ صاحبہ نے جلد ہی ریٹائرمنٹ لے لی۔لہٰذا خاکسار کو جو بطور وائس پرنسپل کام کر رہی تھی چارج لینا پڑا۔چند ماہ کے بعد غیر احمدی پرنسپل کے آنے پر خاکسار نے کچھ عرصہ کام کیا۔ان تمام تبدیلیوں کے بعد خاکسار کے لیے لجنہ مرکزیہ کی جنرل سیکرٹری کی ذمہ داریاں ادا کرنا مشکل ہو گیا لہذا بادلِ نخواستہ لجنہ کے کام سے فراغت حاصل کر لی گئی جو کہ خاکسار کے لیے ذہنی طور پر نہایت تکلیف دہ امر تھا اور حضرت سیّدہ صاحبہ بھی اس مجبوری کو سمجھتی تھیں۔

آپ نے مکرمہ صفیہ گورایہ صاحبہ کو یہ ذمہ داری سونپ دی۔وہ اس وقت جامعہ نُصرت میں بطور لائبریرین کام کر رہی تھیں۔انہوں نے بھی بڑی خوش اُسلوبی اور محنت سے کئی سال تک جنرل سیکریٹری کا کام کیا۔

ویسے بھی اب خاکسار کے لیے ربوہ میں رہ کر کام مشکل ہوتا جا رہا تھا کیونکہ میرے میاں کا تبادلہ ہیڈ آفس لاہور میں ہو چکا تھا۔علاوہ ازیں ہمارے چاروں بچے بفضلِ تعالیٰ پروفیشنل اداروں میں بغرضِ تعلیم لاہور جا چکے تھے۔لہذا خاکسار نے بھی لاہور میں تبادلہ کی درخواست دیدی اور لمبی چھُٹی لیکر لاہور چلی آئی۔جب تبادلہ سے انکار کر دیا گیا تو میں نے استعفیٰ دیدیا۔اس طرح پر ربوہ کے قیام کا خوشگوار اور بابرکت دور اختتام ہوا۔الحمدللہ

لاہور کے قیام کے زمانہ میں حضرت سیّدہ بشریٰ بیگم صاحبہ صدر لجنہ لاہور کے ساتھ لجنہ کے کام کی توفیق ملتی رہی جو ایک لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ثُمَّ الحمد لِلّٰہ

(ٹائپنگ: منشاد احمد نیّر)

غزل

محمد افضل مرزا

میرا ورنہ تو کوئی مول نہیں
جز تیرے میرا کچھ حصول نہیں

میرا ماتھا تو جھک گیا ہوتا
زندگی اب میری ملول نہیں

اس نے دل کی زمیں پہ رکھے قدم
کون سا ہے جو دل میں پھول نہیں

یہ زمیں بھی ہے مہرباں اس پر
آسمانوں کا ہی نزول نہیں

ترے قدموں سے میں لپٹ رہتا
ایسا جینا بھی کچھ فضول نہیں

اس کی نظرِ کرم کا صدقہ ہے
ورنہ میرا کوئی حصول نہیں

مجھ کو اک آپ سے محبت ہے
داستاں میری کوئی طول نہیں

دھیان میں ہے تیرا گلاب وجود
اس سے کمتر مجھے قبول نہیں

تو مجھے یاد آرہا ہے بہت
تو مجھے اس طرح تو بھول نہیں

راہبر کامل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

امتہ الباسط، بروکلین

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے حضرت محمد ﷺ کو رحمۃ للعالمین کے عظیم الشان خطاب سے نواز کر آپ ﷺ کو تمام عالم کے لیے باعثِ رحمت و برکت اور شفقت بنا دیا اور یوں آپ ﷺ کے بابرکت وجود نے رحمت کا آفتاب بن کر اس عالمِ انسانی کے ذرے ذرے کو تابناکی بخشی اور صحرائے عرب سے رحمت کا ایک ایسا چشمہ پھوٹا جس نے تمام عالم کو انسانیت کا بہترین درس دے کر دنیا کا کامیاب معلم بنا دیا۔ قرآنِ کریم آپ ﷺ پر نازل ہوا اور آپ ﷺ کی زندگی قرآن پاک کی عملی تفسیر بن گئی۔ خداوندِ حی و قیوم نے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْن کہہ کر ایک طرف تو قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ لیا اور دوسری طرف رہتی دنیا تک اسے قائم و دائم رکھنے کے لیے عملی طور پر آنحضرت ﷺ کو ایسے جانثار صحابہؓ کا گروہ عطا فرما دیا جو آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ سننے کے لئے آپ ﷺ کی دہلیز پر دن رات موجود رہتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں وفورِ شوق سے کہ آنحضرت ﷺ کی کوئی بات سننے سے محروم نہ رہ جاؤں آپ ﷺ کی دہلیز پر باوجود تنگ دستی کے ایام کے لگاتار موجود رہتا بعض اوقات اسی جذبہء شوق سے میں اٹھ کر دربارِ نبوی ﷺ سے نہ جاتا اور لگاتار فاقے برداشت کرتا حتیٰ کہ بیہوشی طاری ہو جاتی لوگ سمجھتے کہ مرگی کا مریض ہے تو ہم پرستی کے زیرِ اثر مرگی کا علاج کرنے کی غرض میرے سر پر جوتیاں مارا کرتے جس سے میں اور نڈھال ہو جاتا مگر یہ ماریں یہ فاقے یہ تنگی کے ایام مجھے دربارِ نبوی ﷺ کی چوکھٹ سے نہ ہٹا سکتے چنانچہ حدیثوں میں سب سے زیادہ حدیثیں حضرت ابو ہریرہؓ سے منسوب ہیں جو آج بھی ہماری زندگی کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

قرآن کریم میں اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم کے الفاظ اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ آپ ﷺ واقعی اعلیٰ اخلاق پر قائم تھے۔ اسی لئے آپ ﷺ خود بھی فرماتے کہ میں محاسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

اگر ہم غور کریں تو اس حقیقت سے آشنا ہو جائیں کہ یہ حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کریمانہ ہی تھے جنھوں نے وحشیوں کو انسان بنا دیا اور انسانوں کو اپنے خلقِ عظیم سے فنا فی الرسول ﷺ کے درجے تک پہنچا دیا دنیا کی عیش و عشرت کے دلدادوں کو خدا کا راستہ دکھلا دیا۔ وہ خدا جو زندہ ہے اس خدائے عزوجل کی آپ ﷺ نے ایسی چہرہ نمائی کی کہ آج چودہ سو سال سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود اس کی چمکاریں اس کی ضیائیں بڑھتی اور پھیلتی ہی جا رہی ہیں۔

معزز قارئین! آپ ﷺ کا دربار خداوند تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا آپ ﷺ کی احادیثِ طیبہ کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنا آپ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کے قرب اور وصل کا ذریعہ ہے اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ

محمد ﷺ جو ہمارا پیشوا ہے   محمد ﷺ جو کہ محبوبِ خدا ہے
ہوا اس کے نام پر قربان سب کچھ   کہ وہ شاہنشاہ ہر دوسرا ہے
خدا کو اس سے مل کر ہم نے پایا   وہی اک راہ دیں کا راہنما ہے

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ وہ سراپا 'رحمت انسان' جو غار حرا سے آفتابِ رسالت لے کر افقِ عالم پر طلوع ہوا اور انسانیت کے لئے سرچشمہ ہدایت کا نسخہ کیمیا لایا جس نے اپنی چاندسی ٹھنڈی شعاعوں کے ساتھ ظلم و زلال کی راہوں کو منور کر دیا جس میں درپردہ خدا تعالیٰ کا نور چمک رہا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے عاشق صادق پکار اٹھے کہ

آپ چل کر تو نے دکھلا دی رہِ وصلِ حبیب
تو نے بتلایا کہ یوں ملتا ہے یارِ بے نشان

قرآن پاک میں آتا ہے کہ اے محمد ﷺ تو کہہ دے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو محمد ﷺ سے محبت کرو میرا اللہ تم سے محبت کرے گا اور تم خدا کے محبوب ہو جاؤ گے۔ دیکھا جائے تو خدا کا پیارا ہو جانے میں ہی نجات اور فلاح ہے۔ آپ ﷺ کی محبت نے زمانہء جاہلیت کے بے راہرو لوگوں کو ایسا آبِ حیات پلایا کہ وہ خدا کی محبت میں سرشار ہوئے۔ انکی محفلوں میں حوضِ کوثر اور تسنیم کو حاصل کرنے کی سبقت کے لئے کشمکش کو دیکھتے ہوئے آپ ﷺ نے گواہی دی کہ

مجھے اپنے صحابہؓ میں اللہ ہی اللہ نظر آتا ہے“

آنحضور ﷺ کی تعلیم ہی کے طفیل عورت پستی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکل کر اوج ثریا پر یتم نظر آتی ہے اس راہبر کامل نے وہ تمام حقوق اسے دلوائے جس کی صنف نازک حقدار تھی اسی لیے نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے کہا کہ

وہ رحمت عالم آتا ہے تیرا حامی بن جاتا ہے
تو بھی انساں کہلاتی ہے سب حق تیرے دلواتا ہے
بھیج درود اس محسن پر تو دن میں سو سو بار
پاک محمد مصطفیٰ ﷺ نبیوں کا سردار

اگر ہر عورت یہ اشعار اپنے ذہن میں رکھے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنی ساری زندگی حضور اکرم ﷺ کی پیروی میں نہ گزارے کیونکہ دیکھا جائے تو کہاں وہ دن تھے کہ بیٹی کی پیدائش والدین کی ذلت کا سبب بنتی اور کہاں یہ اعزاز کہ **الجنة تحت اقدام امهتكم** کہ اے دنیا کے راہبرو۔ بادشاہو۔ حکیمو اور معبد خانوں کے عبادت گزارو تمہاری فلاح تمہاری ترقی، تمہاری حقیقی زندگی، نیک بختی تمہاری اولادوں کی حیات جاودانی تمہاری ماں کے قدموں تلے پوشیدہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عورت پر احسان عظیم ہے جس احسان سے ہم محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے واقف ہوئے۔

اگر ہم بغور جائزہ لیں تو آپ ﷺ کے احسانات لامحدود ہیں۔ جبکہ انسانی سوچ محدود ہے کہاں وہ لطیف وروحانی کام اور کہاں ٹھوس اور مجسم الفاظ اسلئے ناممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ہر ہر نیکی اور احسان کو قلم کا سہارا لے کر بیان کیا جا سکے کیونکہ یہ وہ مقام ہے جہاں زبان ساتھ دینا چھوڑ دیتی ہے قلم عاجز آجاتا ہے صرف یہی کہہ سکتی ہوں کہ ہم پر یہ فرض عائد ہوتا کہ ہم صبح وشام چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے اس راہبر کامل پر جسقدر ممکن ہو درود بھیجیں کیونکہ آپ ﷺ کے توسط سے ہم نے خدا کو پایا۔

سب ہم نے اس سے پایا شاہد ہے تو خدایا

پس اے شجرِ احمدیت کی زندہ شاخو! اور اے گلستانِ احمدیت کے احمدیت کے شگفتہ پھولو! دنیا ہماری راہوں میں مخالفتوں کے پُل جتنے چاہے تعمیر کر لے اور دربارِ نبوی ﷺ کی چوکھٹ سے ہٹانے کے جس قدر چاہے منصوبے بنالے ہمارا فرض اس امر کا متقاضی ہے کہ ہم اسوہء رسول ﷺ پر چلتے ہوئے احسن تقویم کی مجسم تصویر بن جائیں ویسے بھی یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں کہ یہ سعادت باجود شدید مخالفت اور زور و تشدد کے صرف اور صرف احمدیت کے حصے میں ہی آئی ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْد

(ٹائپنگ: شازیہ سیّد)

مکرمہ سیدہ وسیمہ شاہ صاحبہ کا ذکرِ خیر

ناصر احمد شارلٹ نارتھ کیرولینا

مکرمہ سیدہ وسیمہ شاہ صاحبہ 16 اکتوبر 2011 بروز جمعۃ المبارک Highpoint NC میں وفات پا گئیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

23 دسمبر 2011ء کو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ میں آپ کا ذکر خیر فرمایا۔ درجات کی بلندی کے لئے دُعا کی اور بعد میں نماز جنازہ غائب پڑھایا۔ اللہ تعالیٰ آپکو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

آپ شارلٹ جماعت (نارتھ کیرولینا) امریکہ کی جماعتی تنظیم کے قیام جنوری 92ء سے سرگرم رُکن تھیں۔ جماعت کے ہر فرد سے آپ کا ذاتی تعارف تھا۔ ہر ایک کیلئے دُعا اور دُکھ سُکھ میں شامل ہونا آپ کا خاصہ تھا۔ مہمان نوازی آپ کا خاص وصف تھا۔ اپنی صحت کے زمانہ میں مسجد میں ہر اجلاس کے موقع پر کھانا تیار کر کے ساتھ لاتیں اور سب کی مہمان نوازی کر کے خوش ہوتیں۔

آپکی مہمان نوازی، خدمت خلق اور حُسن سلوک Highpoint میں مسلم آبادی کے ساتھ مثالی تھا۔ سب لوگ آپ سے بہت ہی عقیدت اور محبت کا تعلق رکھتے تھے۔ مسلم اور غیر مسلم خواتین اپنے دُکھ سُکھ کے لئے مشورہ اور دُعا کے لئے کہتیں۔ آپ ہر ایک کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کرتیں۔ آپ نہایت ہی خوش خلق اور صابر تھیں۔ اپنی آخری علالت میں بھی خوش خلق اور صابر نظر آئیں۔ جو بھی آپکی خیریت معلوم کرنے آتا، آپ نے کبھی بھی اپنی تکلیف کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ آنے والے کی صحت اور دیگر مشکلات کا پوچھتیں اور اپنی دُعاؤں میں یاد رکھتیں۔ بغیر مہمان نوازی واپسی کی اجازت نہ دیتیں۔

آپکی یادگار تین بچے ہیں۔ ایک بیٹا اور دو بیٹیاں۔ آپکے بیٹے مکرم ندیم احمد فیضی صاحب صدر جماعت احمدیہ شارلٹ خدمت دین کی توفیق پا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ رحمت کا سلوک فرماتے ہوئے مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلےٰ مقام عطا فرمائے اور انہیں بزرگوں کا قُرب عطا فرمائے، آمین۔

شہنشاہِ دو عالم محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلم

صفیہ بیگم رعنا

رسول پاک ﷺ کا مرتبہ تمام انبیاء اور مرسلین سے بڑھ کر تھا۔ آپ خاتم النبیین تھے۔ رحمۃ للعالمین تھے۔ تمام انسانیت کے لئے تا قیامت ایک درخشاں ستارہ تھے۔ سورۃ الصّٰفّٰت مکی میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم کو مردِ کامل کہا۔

آپکو قرآن حکیم عطا کیا گیا جس کی کامل تعلیمات ساری دنیا کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہیں۔ اس سورۃ کی ابتداء میں بتایا گیا ہے کہ مردِ کامل قرآن کریم کی تعلیم اور اپنے اسوۂ حسنہ سے قدوسیوں کی ایسی جماعت بنانے میں کامیاب ہونگے جو جانی و مالی قربانیاں دے کر نہایت جوش اور جذبہ سے اسلام کی اشاعت کردیں گے۔ اس سورۃ میں بہت سے انبیاء کے حالات بیان کرکے بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت فرمائی۔ اور اُنکے مخالف ناکام ونامراد ہوئے۔ اسی خدا نے آنحضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی بھی نصرت فرمائی اور دشمن ناکام ونامراد ہوئے۔

اسی طرح سورۃ یٰسٓ میں جو کہ مکہ میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ جو کائنات کا خالق ہے۔ وہ انسان کی مادی ضرورت کے علاوہ عقلی اور اخلاقی اور روحانی ضروریات کو بھی پورا کرتا ہے۔ اور اسی غرض کے لئے اس نے ہر قوم میں اپنے منتخب بندوں پر اپنا کلام نازل کیا ہے۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے رسول پاک کو مردِ کامل کہہ کر مخاطب فرمایا ہے۔ اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامل کتاب قرآن حکیم عطا کی۔ تاکہ آپ اس کے ذریعہ دنیا کی ساری اقوام کو انذار کریں۔ پھر موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا ذکر کرکے بتایا گیا تو اللہ تعالیٰ کا ایک فرستادہ دنیا کو خدا اور رسول کی اطاعت کی طرف بلائے گا۔

رسول کریم ﷺ کے اوصافِ کریمانہ چمکتے ستاروں کی طرح صراطِ مستقیم کا راستہ بتائیں گے۔ حضور انتہائی انکساری سے پیش آتے۔ تواضع، صلہ رحمی، عفو و درگزر فرماتے، چھوٹے بڑے سے پیار کرتے اور شفقت سے پیش آتے۔ غریبوں اور مسکینوں اور یتیموں پر نظرِ کرم فرماتے، امانت اور دیانت کا خاص خیال رکھا جاتا۔ بڑی سے بڑی غلطی پر اُنہیں معاف کیا جاتا۔

ایک دفعہ حضورؐ صحابہ کے ساتھ جارہے تھے کہ ایک بدبخت بوڑھی عورت نے اوپر بالا خانے سے حضور پر کوڑا کرکٹ پھینکا۔ اسی طرح کئی دفعہ جب حضورؐ کا اُدھر سے گزر ہوتا وہ اسی طرح کرتی۔ مگر حضور خاموش رہتے۔ آخر میں دو تین دن حضور کا اُدھر سے گزر ہوا تو اُس نے ایسا نہ کیا جب حضورؐ نے صحابہ سے پوچھا کہ بڑھیا نے اپنا عمل نہیں دہرایا۔ تو صحابہؓ نے آپ کو بتایا کہ وہ وفات پاچکی ہے۔ حضورؐ نے اس کی مغفرت کیلئے دعا کی۔

اُس زمانے میں عورتوں پر انتہائی مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ حضورؐ نے اُن مظالم کا سدِّ باب کیا اور اُن پر بڑا احسان کیا اور مساوی حقوق دے کر عورت کو عزت بخشی۔ صفائی کو جزوِ ایمان قرار دیا۔ باطنی اور ظاہری پاکیزگی دونوں پر زور دیا۔ خوشبو کو پسندیدہ اشیاء میں بیان فرمایا۔ حضورؐ کے منہ مبارک سے ادا ہونے والا ہر ہر لفظ ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ آپ میں ایک ذرّہ بھر کبر نہ تھا۔ عاجزی اور انکساری کا اعلیٰ نمونہ تھے۔

پاکیزگی کا اتنا خیال رکھتے کہ جب حضور کی رحلت کا وقت قریب آیا اور حضرت عائشہؓ جو حضورؐ کے پیچھے سہارا دیئے ہوئے بیٹھی تھیں' اتنے میں حضرت عبداللہ بن ابوبکر آئے اور ایک مسواک کا چھوٹا سا بنڈل حضور کی خدمت کیلئے پیش کیا۔ حضورؐ چونکہ کھانے کے بعد مسواک کیا کرتے تھے تو مسواک کا بنڈل دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔ عائشہ مجھے مسواک بنا کے دو۔ تو حضرت عائشہؓ نے اپنے دانتوں میں چبا کر نرم کرکے حضور کو مسواک دی اور آپ نے اس بیماری کی حالت میں بھی دندان مبارک صاف فرمائے۔

عفو و درگزر آپ کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو ہے۔ بہت بڑی سے بڑی بات کو بھی معاف کردیتے تھے۔ ایک دفعہ مکہ سے مدینہ جارہے تھے تو ستانے کیلئے لیٹ گئے۔ ایک دشمن حضورؐ کو نعوذ باللہ قتل کے ارادے سے آنکلا۔ اُنہیں لیٹے ہوئے دیکھا تو گھوڑے سے اُتر کر آپ پر تلوار سونت لی۔ اتنے میں حضور کی آنکھ کھل گئی۔ جب دشمن نے آپ کا رعب اور جلال دیکھا تو تھر تھر کانپنے لگا اور تلوار نیچے گر پڑی اور حضور نے تلوار اُٹھا کر کہا کہ اب بتاؤ مجھے تو میرے خدا نے بچالیا مگر تمہیں کون بچائے گا۔ وہ دشمن حضورؐ کے پاؤں پر گر کر معافی مانگنے لگا۔ حضور نے تلوار پھینک دی اور اُسے معاف فرمادیا۔ آپکا حسنِ سلوک و عفو و درگزر دیکھ کر وہ دشمن ایمان لے آیا۔

حضور اکرمؐ بچوں سے بہت پیار کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ سجدے میں خدا کے حضور دعا

میں مصروف تھے کہ حسینؓ جو ابھی بچہ تھے آ کر آپ کی کمر پر بیٹھ گئے۔حضورؐ اس وقت تک سجدے سے نہ اُٹھے جب تک حضرت حسینؓ آپ کی کمر سے اُتر نہ گئے۔آپ کے اسوۂ حسنہ کے تو سارے ہی موتی نہایت قیمتی ہیں اور اپنانے کے لائق ہیں۔یہ ایک ایسا خزانہ ہیں جو استعمال کرنے سے بڑھتا ہی رہے گا،انشاءاللہ۔حضور پُرنور اپنی بلند و بالا ہستی کی چمک سے ساری دنیا کو منور کر گئے۔یہ نور ہمیشہ مائل دلوں کو نفع دیتا رہے گا۔

حضور ﷺ کی ذات میں عاجزی اور انکساری کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے،آپؐ کسی کام کو اپنے ہاتھ سے کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے۔صحابہؓ کے ساتھ مسجد نبوی کی تعمیر میں حصہ لیا،جنگِ خندق میں خندق کی کھدائی میں صحابہؓ کے ساتھ مل کر کام کیا۔غریبوں اور مسکینوں کی ہر ممکن حد تک مالی اور ہر طرح کی امداد کی۔

آپؐ کی زندگی نہایت سادہ تھی۔اپنی ذات کیلئے حتی المقدور کسی کو کام کہنے سے پرہیز کرتے۔اپنے کپڑوں پر خود پیوند لگا لیتے،گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے۔ساری ساری رات رو رو کر خدا کے حضور عبادت میں مصروف رہتے یہاں تک کہ نماز میں کھڑے رہنے سے پاؤں سوج کر متورّم ہو جاتے۔

قرآن جو بلا ریب ایک کامل کتاب ہے،اس میں بیان ہوا ہے کہ آئندہ جب دنیا اپنے خالق کو بھول جائے گی اور نزولِ وحی و الہام کا انکار کرے گی تو اللہ تعالیٰ کا ایک فرستادہ دنیا کو خُدا اور اسکے رسولؐ کی اطاعت کی طرف بلائے گا۔حضرت مسیح موعود و مہدی موعود کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے جو پیغامِ حق کو دنیا کے کناروں تک پہنچائے گا۔انشاءاللہ سعید طبائع اس دعوت حق سے مستفید ہونگی اور اس کے احکامات پر عمل پیرا ہونگی۔خدا کے فضل سے اس کا ثبوت ہم آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔یہی وہ موعود و مبارک وجود اور مسیح الزماں ہے جس کے ذکر میں ہمارے ہادیٔ کامل آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ خواہ تمہیں برف کے ٹیلوں پر چل کر بھی جانا پڑے تو مہدی کے پاس جانا اور اس تک میرا اسلام پہنچانا۔جہاں اس حدیث کے مصداق موجود ہیں وہاں بہت سے بدنصیب ایسے ہیں جو اس شرف اور بصیرت سے محروم ہیں جو ایک مہدی کے پہچاننے کیلئے درکار ہوتی ہے۔وہ نہ صرف اس مہدی کے ماننے سے انکار کر رہے ہیں بلکہ اس کے ماننے والوں کو تکلیف پہنچانے کیلئے کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

آخر میں اس خواہش کے ساتھ اپنے مضمون کو ختم کرتی ہوں:

جی چاہتا ہے مدینے کو جاؤں
مسجد نبویؐ کے گرد گھوموں
یثرب کی گلیوں میں دیوانہ وار پھروں

(تبصرہ کتب)

جدید تعبیر نامہ بطرز حروف تہجی

قاموس الرویا

(ایم۔ایم۔طاہر)

نام کتاب: قاموس الرویا (تعبیر نامہ)

مؤلف: میر غلام احمد نسیم صاحب

ناشر: جمال الدین انجم۔احمد اکیڈمی ربوہ

تعداد صفحات: 330

تعبیر الرویا اللہ تعالیٰ کے ہاں مسلمہ علم ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے جن افضال کا ذکر کیا ان میں ایک نعمت تاویل احادیث ہے۔قرآن کریم میں انبیاء اور بعض دیگر لوگوں کے خوابوں اور ان کی تعبیر کا ذکر ملتا ہے۔

قرآن کریم نے اولیاء کو دنیا و آخرت میں البشریٰ ملنے کی نوید سنائی ہے۔آنحضرت ﷺ نے البشریٰ سے مراد رویا صالحہ بتائی جسے مومن خود دیکھتا ہے یا اس کے لئے کوئی دوسرا مومن دیکھتا ہے۔وحیِ قرآن کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بے شمار مبشرات اور رویا صالحہ سے نوازا جس کی آپؐ نے تعبیر بھی فرمائی۔

رویا صالحہ سعید فطرت لوگوں کے لئے مامورین کی شناخت کا ذریعہ بھی بنتی اور اس کے ذریعہ اولیاء پر کئی اسرار کھولے جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنی ہستی کے ثبوت کے طور پر ہر شخص کو سچی خواب دکھا سکتا ہے۔خوابیں عام طور پر اشارات کی زبان میں آتی ہیں اور تعبیر کی متقاضی ہیں۔تعبیر رویا کا قطعی علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء،اولیاء اور صلحاء کو بخشا جاتا ہے۔ان کے تجارب کی بنیاد پر ہی تعبیر نامے تیار ہوئے ہیں۔

خوابوں کے تعبیر نامے ایک عرصہ سے شائع ہو رہے ہیں اور لوگ اپنی خوابوں کی تعبیر ڈھونڈنے کے لئے تعبیر ناموں سے استفادہ کرتے ہیں تا کہ صاحب تجارب لوگوں کے علم سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔زیر تبصرہ کتاب محترم میر غلام احمد نسیم صاحب ایم اے ایم او ایل مربی سلسلہ (ر) واستاد جامعہ احمدیہ حال مقیم نیوجرسی امریکہ نے سالہا سال کی محنت کے بعد مرتب کی ہے۔اس تعبیر نامے میں جو کہ بطرز حروف تہجی مرتب کیا گیا ہے،کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ الفاظ کا انگریزی ٹیکسٹ بھی ساتھ ساتھ دیا گیا ہے تا انگریزی الفاظ سے بھی استفادہ کیا جا سکے۔اس تعبیر نامے میں جدید دور کے حالات و ایجادات اور تقاضوں کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے۔کتاب خوبصورت رنگین ٹائٹل اور جلد کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔خوابوں کی تعبیر کے ساتھ اس کے آغاز میں مؤلف نے تعبیر الرویا کی مختصر داستان بھی شامل کتاب کی ہے۔اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس سعی کو بارآور کرے اور محنت کو پذیرائی عطا کرے،آمین۔ (بحوالہ روزنامہ الفضل ربوہ 27 اپریل 2006ء صفحہ 4)